ہیروں کے چور

ہیروں کے چور

بچوں کے لیے ناول

رحیم

فیروز سنز پرائیویٹ لمیٹڈ

پہلی بار ۱۹۷۰

تعداد ۵۰۰۰

قیمت ۲۔۵۰

جواہرات کی چوری

نوّاب فخرِ عالم مغلوں کے زمانے کے جدّی پُشتی رئیس تھے اور کراچی سے چند میل دور "نوّاب نگر" نام کا قصبہ بسا کر وہیں بال بچّوں سمیت ایک شاندار حویلی میں رہا کرتے تھے۔ اُن کی بیگم زینت محل پڑھی لکھی اور سگھڑ بی بی تھیں۔ نوّاب صاحب کی عمر چالیس برس ہو گی کہ ایک دِن اچانک وہ بیمار ہو گئے اور چند گھنٹوں ہی میں چٹ پٹ ہو گئے۔ اُن کے بعد جائیداد کا انتظام ان کی بیگم نے سنبھال لیا۔

ایک دِن بیگم کو اپنے پڑوسی نوّاب کے ہاں شادی میں جانا پڑا۔ چونکہ حویلی میں لاکھوں روپے کا سازو سامان اور قیمتی جواہرات موجود تھے، اس لیے اُنھوں نے نوکروں کو سخت تاکید کی کہ ہوشیاری سے رہیں اور ذرا غفلت نہ برتیں۔

مگر وہ جب لوٹ کر آئیں تو یہ دیکھ کر حیران رہ گئیں کہ ان کی تجوری کھلی پڑی ہے اور جواہرات کا صندوقچہ غائب ہے۔ ان کی آنکھوں تلے اندھیرا چھا گیا۔ جب عرصے بعد ہوش و حواس برقرار ہوئے تو نوکروں سے پوچھ گچھ کی۔ مگر وہ سب قسمیں کھا کھا کر کہہ رہے تھے کہ ہمیں اس واردات کا رتی بھر علم نہیں۔ ہم بالکل بے گناہ ہیں۔

آخر لاچار ہو کر بیگم نے پولیس کو چوری کی اطلاع کر دی۔ پولیس نے ہر طرح ٹوہ لگانے کی کوشش کی۔ مگر نظر نہ آئی۔ ہاں، نمدے کی ایک ٹوپی

ضرور اس کے ہاتھ لگی جو تجوری کے پیچھے گری پڑی تھی اور جس کے اندر کی طرف "د۔ ج۔ سلطان" کے حروف کڑھے ہوئے تھے۔ غالباً چور جاتے ہوئے اُسے وہیں بھول گئے تھے۔ پولیس نے ٹوپی کے ساتھ نوکروں کو بھی پوچھ گچھ کے لیے تھانے لے جانا چاہا مگر نوّاب بیگم نے یہ کہہ کر اُنہیں بھیجنے سے انکار کر دیا کہ یہ میرے قدیمی نمک خوار ہیں اور ان کی ایمان داری پر مجھے ذرا شک وشُبہ نہیں ہے۔

جواہرات کی چوری کی خبر جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی اور ملک کے تمام اخبارات نے بڑی بڑی سُرخیوں کے ساتھ اِس خبر کو شائع کیا۔ اخبارات میں نوّاب بیگم کے دس ہزار روپے کے انعام کا اعلان بھی بار بار چھپتا رہا جو اُنھوں نے چوری کا اتا پتا دینے والے کو دینے کا وعدہ کیا تھا۔ لیکن نتیجہ صفر رہا۔ چوری کا پتا نہ چلنا تھا نہ چلا۔

اس قصبے میں تیرہ سال کا ایک یتیم لڑکا رہتا تھا۔ اس کا نام مُنّو تھا۔ جب وہ گیارہ سال کا تھا تو اس کے سر سے باپ کا سایہ اٹھ گیا اور جب اس نے تیرھویں سال میں قدم رکھا تو ماں بھی اللہ کو پیاری ہو گئی۔ اب وہ محنت مزدوری کر کے اپنا پیٹ پالتا تھا۔ جواہرات کی چوری کی بات قصبے کے بچّے بچّے کو معلوم تھی۔ مُنّو بھی اس سے باخبر تھا اور دِل میں سوچا کرتا کہ اگر میں کسی طرح چوری کا پتا چلا لوں تو میرے دِن پھر جائیں۔ دس ہزار روپے کوئی معمولی رقم نہیں ہوتی۔

اِس بھری دُنیا میں مُنّو کا ایک ہی رشتے دار تھا اور وہ تھا ماموں کلّن۔ ماموں کلّن اُسے بے حد چاہتا تھا۔ اسے جب اپنی بہن کی موت کی خبر ملی تو اس نے مُنّو کو لکھا کہ تُم میرے پاس کراچی چلے آؤ۔ مُنّو کی جیب میں کلّن ماموں کا لکھا ہُوا خط محفوظ تھا۔ اس خط میں کلّن نے لکھا تھا کہ میں آج کل "سلطان"

نامی ایک جہاز میں ملازم ہوں جو کراچی کے ساحل پر لنگرانداز ہے۔ مُنّو نے سوچا قصبے میں رہا تو لوگوں کی ہنڈیاں مانجھ مانجھ کر مر جاؤں گا۔ ماموں کے پاس جاؤں تو وہ جہاز پر کوئی چھوٹی موٹی نوکری دِلا دیں گے۔ سو، ایک دِن بستر باندھا اور بس میں سوار ہو کر کراچی پہنچ گیا۔

جب وہ بندرگاہ پر پہنچا تو جہاز "سلطان" ساحل پر کھڑا تھا۔ اس کے آس پاس اور بھی کئی جہاز تھے۔ مُنّو کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہ تھا۔ مگر جہاز پہلی بار دیکھا تھا اِس لیے خوش ہونے سے زیادہ وہ حیران ہو رہا تھا۔ جہازوں سے اسباب اُتارا جا رہا تھا اور جو کرین اسباب کو جہازوں سے اُٹھا کر ساحل پر اُتار رہی تھی، وہ بہت بڑی دیونی معلوم ہوتی تھی۔

مُنّو حیران ہو ہو کر سارا تماشا دیکھ رہا تھا اور اس تماشے کے دیکھنے میں اتنا محو ہوا کہ شام سر پر آ گئی اور اُسے خبر تک نہ ہوئی۔

جب سارا سامان ساحل پر اُتارا جا چُکا اور مزدوروں کا غُل غپاڑا ختم ہوا تب کہیں جا کر مُنّو کو ہوش آیا اور ماموں کلّن کو تلاش کرنے کی سُوجھی۔ اُس نے ڈرتے ڈرتے جہاز میں قدم رکھا اور رات کے اندھیرے میں بڑی احتیاط سے آگے بڑھنا شروع کیا۔ وہ ابھی گودام میں داخل ہوا ہی تھا کہ اُسے قدموں کی چاپ سُنائی دی۔ وہ وہیں ایک بہت بڑے بورے کی اوٹ میں دُبک کر بیٹھ گیا۔ آنے والے چُپ چاپ آئے اور اُسی بورے کے ساتھ ٹیک لگا کر باتیں کرنے لگے۔

اُن میں سے ایک نے کرخت سی آواز میں کہا:

"کیوں بُندُو، تُم نے جواہرات اپنے بکس میں رکھ لیے ہیں نا؟"

"تمہارا سر تو نہیں پھر گیا وُدّو؟ چاروں طرف پولیس ٹوہ میں ہو اور میں اُنہیں

سینے سے لگائے پھروں؟ جواہرات کا ڈبّا کلّن کے پاس ہے۔"

"ارے بے وقوف تُم نے اُسے کیوں دے دیا؟" وُدّو غصّے سے بولا۔

"میں بے وقوف نہیں۔ عقل مند ہوں۔" بُنڈو نے ہنس کر کہا۔

"کیا مطلب؟" وُدّو نے پوچھا۔

مطلب یہ کہ اگر وہ پولیس کے ہتھّے چڑھ گیا تو وہ جانے اور اس کا کام۔ چوری کا مال اُس سے بر آمد ہو۔ اور وہی مجرم ٹھہرے گا۔ اگر بچ گیا تو اگلی بندر گاہ پر ہم اُس سے ڈبّا لے لیں گے۔ میں نے اُس سے کہا تھا کہ اِس میں تمباکو ہے۔"

"واہ بھئی وا۔ مُرشد کی قسم لاجواب دماغ پایا ہے تُم نے۔" وُدّو نے ہنس کر کہا۔ "مگر کلّن اِس وقت ہے کہاں ہے؟"

"ساتھ والے کمرے میں ہے۔"

یہ باتیں سُن کر مُنّو کا بُرا حال ہو رہا تھا۔ اُس نے کان لگا کر سُنا تو ساتھ والے کمرے سے سِتار کے تاروں کی جھن جھن سُنائی دی۔

گودام کے ساتھ والا کمرہ جہاز کے مزدوروں کے اُٹھنے بیٹھنے کا کمرہ تھا۔ مزدُور فارغ وقت میں یہیں بیٹھ کر گپ شپ کرتے اور سارے دِن کی تکان اُتارتے۔ اِس وقت کمرے میں مدھم سی روشنی ہو رہی تھی اور کلّن اور اُس کا دوست جُمّن بیٹھے باتیں کر رہے تھے۔ اُن سے کُچھ فاصلے پر ایک کونے میں اُن کا ایک ساتھی للّو کمبل اوڑھے لیٹا تھا مگر جُمّن اور کلّن نے اُسے نہیں دیکھا تھا۔ کلّن اور جُمّن برسوں سے یارِ غار چلے آ رہے تھے۔ جہاز پر کئی آئے اور کئی گئے مگر یہ باقاعدہ ڈٹے رہے۔ اور اتنے دِنوں کے ساتھ نے اُنہیں گہرا دوست بنا دیا مگر سچ پوچھو تو اُن کی کوئی چیز ایک

دوسرے سے نہیں ملتی جلتی تھی۔

جُمّن کو گانے بجانے کا بہت شوق تھا۔ اُسے جب بھی وقت ملتا تھا، سِتار لے کر بیٹھ جاتا اور گھنٹوں اُس سے دِل بہلاتا رہتا اور اِدھر کلّن تھا کہ اُسے گانے بجانے سے خداواسطے کا بیر تھا۔

روز کی طرح آج بھی جُمّن سِتار سے شغل کر رہا تھا مگر کلّن تھا کہ اُس نے چُپ سادھ رکھی تھی۔ آخر جُمّن سے رہا نہ گیا۔ وہ غصّے سے بولا۔ "غضب خدا کا۔ ہم نے لہو پسینہ ایک کر ڈالا ہے اور تمھیں داد کے ایک لفظ تک کی بھی توفیق نہ ہوئی۔"

"کس بات کی داد دُوں تمھیں؟" کلّن نے چڑ کر کہا۔ "مُفت کی ٹیں ٹاں لگا رکھی ہے۔"

"یار! تُم تو اُدھار کھائے بیٹھے ہو۔ کیا بات ہوئی جو اِتنا جھلّا رہے ہو؟" جُمّن نے پوچھا۔

"یہ جو بُندُو نے ڈبّا دیا ہے، اسے بکس میں ٹھونس رہا ہوں مگر اندر جانے کا نام ہی نہیں لیتا۔ وہ کہتا کہ اِس میں تمبا کو ہے۔ مگر کبھی تمبا کو بھی یوں کھڑ کھڑ کیا کرتا ہے۔ سُنو۔"

کلّن نے ڈبّے کو جُمّن کے کان کے پاس لے جا کر زور زور سے ہلایا تو اُس میں سے کھڑ کھڑ کی آواز آئی۔

"اتنا پریشان ہونے کی کیا ضرورت ہے۔ کھول ڈالو اِسے۔" جُمّن نے کہا۔

"کھول ڈالوں اِسے؟"

"ہاں ہاں۔ بھلا ہرج ہی کیا ہے؟ اِک نظر ہم بھی دیکھ لیں کہ اِس میں کیا چیز

ہے؟"

مگر کلّن ڈبّا کھولنے میں پس و پیش کر رہا تھا۔ اِدھر یہ باتیں ہو رہی تھیں اور اُدھر للّو کے کان کھڑے ہو گے تھے۔ اُس نے کمبل کو سر سے ہٹا دیا اور بڑی دلچسپی سے اُن دونوں کی باتیں سُننے لگا۔

جُمّن کلّن کے قریب آ کر کہنے لگا۔ "ارے کھول بھی ڈالو اِسے" اور کلّن نے رسّی کی گرہ کھول کر ڈبّے کا ڈھکنا جو اُٹھایا تو اُس کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ ڈبّے کے اندر پکھراج، نیلم، ہیرے اور لعل پڑے جھلمل جھلمل کر رہے تھے اور ان کی جگمگاہٹ سے آنکھیں چُندھیائی جاتی تھیں۔

جُمّن اُنہیں دیکھ کر گھبرا سا گیا اور وہاں سے کھسکنے لگا مگر کلّن نے اُسے روک لیا اور بولا۔ "دوست کو مُصیبت میں دیکھ کر بھاگ جانا دوستوں کا کام

نہیں۔ اب مُجھے اِس مُصیبت سے چھٹکارے کی کوئی ترکیب بتاؤ۔ اُس نا معقول بُندُو نے مُجھ سے کہا تھا کہ اِس میں تمبا کو ہے۔ اگر یہ میرے پاس رہا تو میں پی لوں گا۔ تُم اپنے پاس رکھ لو، اگلی بندر گاہ پر میں تُم سے لے لوں گا۔"

"مگر سوال یہ ہے کہ اِس مال کا مالک کون ہے اور یہ اِن کے ہاتھ کیسے آ گیا؟" جُمّن نے آہستہ سے کہا۔

"میں کیا جانوں بھلا۔ میرے تو ہوش ہی اُڑ گئے ہیں۔ اگر پولیس آ گئی اور یہ ڈبّا میرے پاس سے بر آمد ہوا تو خُدا جانے میرا کیا حشر ہو گا۔ میرا خیال ہے میں کپتان صاحب کے پاس چلا جاؤں اور اُنہیں سچ سچ بتا دوں۔"

جُمّن کُچھ کہنا چاہتا تھا کہ ایک دم رُک گیا اور کان لگا کر سُننے لگا۔ کلّن جُمّن کے

پاس آ کر پوچھنے لگا۔ "کیا بات ہوئی؟"

للّو بھی اُٹھ کر بیٹھ گیا تھا اور کُچھ سُننے کی کوش کر رہا تھا۔ اتنے میں ساحل پر سے آواز آئی۔ "جہاز پر سیڑھی لگاؤ۔ پولیس آئی ہے۔ جہاز کی تلاشی لینا ہے۔"

کلّن خوف سے تھر تھر کانپنے لگا۔ بولا۔ "ہوئی نا وہی بات۔ میں نے کُچھ غلط نہیں کہا تھا تُم سے۔"

پولیس کی آمد کی خبر جہاز میں آناً فاناً پھیل گئی اور جس نے بھی سُنی، سہم گیا۔ مگر وُدّو کی کُچھ نہ پوچھو۔ اُس کا دماغ پھرکی کی طرح گھوم رہا تھا۔ وہ آگ سے کھیل رہا تھا اور اُسے معلوم تھا کہ یہ آگ کسی وقت اُسے جلا کر بھسم کر سکتی ہے اور اب وہ اِس آگ سے بچنے کے لیے تیزی سے ہاتھ پاؤں مار رہا تھا۔

وہ اِسی ادھیڑ بن میں اسباب کے ڈھیر کے اوپر کھڑا ہو کر سگریٹ کے کش پر کش لگا رہا تھا اور اس کی بغل میں بُنڈو حیران و پریشان کھڑا اُس کا مُنہ تک رہا تھا۔

اگرچہ بُنڈو دماغ کا پھسڈّی تھا مگر اس کے تَن میں بلا کی طاقت تھی۔ وہ ایک ہی مکّے میں آدمی زمین پر لِٹا دیا تھا۔ پہلے تو بُنڈو چند منٹ تک خاموش کھڑا رہا۔ آخر رہ نہ سکا۔ بولا۔ "اب کیا ہو گا وُدّو؟"

"اگر تُم بکواس بند کرو تو میں کُچھ سوچ بھی لوں۔ ہاں تو، ذرا سی دیر میں پولیس جہاز پر آ جائے گی اور کونا کھدرا چھان مارے گی۔ اِس چھان بین میں پولیس والے اگر کلّن تک پہنچ گئے اور اُس کے بکس کی تلاشی لی تو مر گئے ہم۔ ہمارے چھُٹکارے کی کوئی سبیل نہ ہو گی پھر۔ اِس لیے ہمیں سب سے پہلے جواہرات کو چھپانے کی کوشش کرنی چاہیے۔"

یہ کہہ کر اُس نے سگریٹ کو جوتے تلے روندا اور تیزی سے گھومتے ہوئے بُندُو سے بولا۔ "آؤ میرے ساتھ۔"

وہ دونوں تیزی سے اُس کمرے کی طرف چلے جس میں کلّن اور جُمّن بیٹھے تھے۔ مُنّو بھی چُپکے سے گودام سے کر باہر آ گیا تھا۔ اُس کی حالت قابلِ رحم تھی۔ چہرے پر ہوائیاں اُڑ رہی تھیں اور دماغ میں مختلف خیالات آ رہے تھے۔

وہ سوچ رہا تھا کہ یہ جواہرات کہیں وہی جواہرات تو نہیں جِن کا ذکر نوّاب نگر میں بہت دیر تک ہوتا رہا تھا۔ وہ اِس قدر پریشان تھا کہ کسی بات کا کہنا اُس کے لیے ناممکن ہو گیا تھا۔ وہ ایسی راہ کی تلاش کر رہا تھا جو اُسے ماموں کلّن تک پہنچا دے۔ اچانک اُسے ایک درز نظر آئی جس میں سے مدھم سی روشنی پھوٹ رہی تھی۔ اُس نے درز سے آنکھ لگائی تو کیا دیکھتا ہے کہ

ماموں کلّن اپنے بکس کو ایک تختے کے نیچے چھُپا رہا ہے۔

جُمّن اور کلّن دونوں گھبرائے ہوئے تھے اور اُن کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کریں تو کیا کریں۔ اِتنے میں بُندُو اور وُدّو کمرے میں داخل ہو گئے۔ کلّن بُندُو سے کُچھ کہنے کو تھا کہ وُدّو نے اُسے روک دیا اور بولا۔ "کہاں ہے وہ ڈبّا جو بُندُو نے تمہیں دیا تھا؟"

"یہ رہی وہ مُصیبت کی جڑ۔ اُٹھاؤ اِسے اور چلتے بنو یہاں سے۔" کلّن نے لرزتی ہوئی آواز میں کہا۔

وُدّو نے کلّن کو کڑی نظروں سے دیکھا اور بولا۔

"ہوں، تو تُم نہ رہ سکے نا اُس کو کھولے بغیر؟"

چاروں طرف خاموشی طاری تھی۔ جُمّن اور کلّن کی آنکھیں خوف سے پھٹی

جا رہی تھیں مگر للّو مارے خوشی کے آپے سے باہر ہوا جا رہا تھا۔ وُدّو نے اُسے کئی بار نیچا دکھایا تھا۔ اب اس کی باری آئی تھی۔ آخر وُدّو بولا: "ڈبّا لینے میں مُجھے کوئی اعتراض نہیں مگر کیا تمہارا خیال ہے کہ یُوں تمہارا چھُٹکارا ہو جائے گا؟ یقین جانو، ہم سب ایک ایسی ناؤ میں سوار ہیں جو تری تو سب کا بیڑا پار ہے اور ڈوبی تو سب ڈوب مریں گے۔"

کلّن نے کہا: "مُرشد کی قسم، اگر میرے کانوں میں بھنک بھی پڑ جاتی اِن جواہرات کی تو ڈبّے کو ہاتھ تک نہ لگاتا۔"

کلّن کی اِن باتوں سے بُندُو کو تاؤ آگیا۔ وہ آستینیں چڑھا رہا تھا کہ وُدّو نے اُسے آنکھ ماری۔ کلّن کہنے لگا: "میاں، وقت بہت کم ہے۔ عقل سے کام لینے کی کوشش کرو۔ اگر خدا نخواستہ پولیس نے اِدھر کا رُخ کیا تو جس ڈبّے کو تم ہاتھوں میں لیے ہوئے ہو وہی ہمارا سب سے بڑا دُشمن ثابت

ہوگا اور اس پر ہماری گواہی تمہیں لے ڈوبے گی۔ اِس ڈبّے کو چُپکے سے کریٹ میں چھپا آؤ جس میں ٹرک کا انجن لد رہا ہے۔ تم خود ہی یہ ذلیل کام کرو۔ میں تو کرنے سے رہا۔"

"اور میں بھی کرنے سے رہا۔" جُمّن نے کلّن کا ساتھ دیتے ہوئے کہا۔

"بکو مت، سبھی جانتے ہیں کہ تُم کلّن کے دوست ہو اور تمہاری خیر اِسی میں ہے کہ پولیس کے آنے سے پہلے اِسے کہیں چھُپا دو۔"

"میں تو خُدا سے چاہتا ہوں کہ پولیس یہاں آئے اور میں اُسے سارا قصّہ سُناؤں۔" کلّن نے کہا۔

"زندہ باد اور پھر سات سال جیل کی ہوا کھاؤں۔ ٹھیک ہے نا۔" وُدّو نے ہنس کر کہا۔

یہ سُن کر کلّن سہم گیا اور اِدھر اُدھر دیکھتے ہوئے بولا: "اچھّا بابا، میں اِسے ٹرک کے انجن والے کریٹ میں چھپا آتا ہوں۔"

"شاباش، مگر دیکھو۔ یہ ڈبّا ٹھیک نہیں رہے گا۔ ہیروں کو پوٹلی میں باندھ لو۔ پوٹلی تھوڑی سی جگہ میں بھی آسانی سے گھُس جائے گی۔"

یہ کہہ کر وُدّو جُمّن پر جھپٹا اور اُس کا مفلر اُتار کر تختے پر پھیلا دیا۔ پھر ڈبّے کو کھول کر ہیرے مفلر پر گرانے شروع کر دیے۔ اِس کے بعد اُس نے چاروں کونوں کو اٹھا کر کے ایک مضبوط گانٹھ دی اور پوٹلی کلّن کے حوالے کر کے کہنے لگا: "لو اب ہوا ہو جاؤ!"

ایک اور جُرم

کلّن اور جُمّن پوٹلی لے کر گودام کی طرف چلے اور بُندُو اور وُدّو ٹہلتے ٹہلتے دُوسری طرف نکل گئے۔ تھوڑی دیر بعد وُدّو نے بُندُو کو مُٹھّی دِکھائی اور کہنے لگا۔ "بوجھو تو اِس میں کیا ہے؟"

بُندُو خاموش رہا۔ جیسے کُچھ سوچ رہا ہو۔ اِس پر وُدّو نے مُٹھّی کھول دی۔ اُس کی ہتھیلی پر سونے کی ڈلک ڈلک کرتی ہوئی انگوٹھی رکھی تھی جس میں ایک خُوش نُما جڑا ہوا تھا اور اُس کی جوت سے ساری ہتھیلی نُور میں نہائی

ہوئی تھی۔

"ارے!" بُندُو کا مُنہ کھُلا کا کھُلا رہ گیا۔

"یہ انگوٹھی میں اپنی بیوی کو تحفے میں دوں گا۔" وُدّو بولا اور دونوں کھِل کھِلا کر ہنس پڑے۔ ابھی ہنسی کی آواز ختم ہوئی ہی تھی کہ پیچھے سے ایک کرخت آواز آئی۔

"اور تمہاری بیوی اِس چوری کے مال کو جوتی مل کر گندی نالی میں پھینک دے گی۔"

وُدّو کوندے کی لپک کی تیزی کے ساتھ پیچھے کی طرف گھوما اور غصّے کے مارے جھلّا اُٹھا مگر پھر بڑے ضبط سے کام لیتے ہوئے ایک ایک لفظ کو چبا چبا کر کہنے لگا:

"اوہو، للّو صاحب ہیں۔ ڈیوٹی کے وقت اِدھر اُدھر چھُپتے پھر رہے ہیں۔ جمعدار نے دیکھ لیا تو۔۔۔۔۔"

للّو نے بات کاٹتے ہوئے کہا۔ "جمعدار کی ایک کہی۔ وہ تو باتوں کا رسیا ہے۔ جب میں نے اُسے مزے دار باتیں سُنائیں تو وہ۔۔۔۔"

اب کے وُدّو نے بات کاٹتے ہوئے کہا:

"تو صاف کیوں نہیں کہتے کہ تُم نے چوری چھُپے ہماری ساری باتیں سُن لی ہیں۔"

"اجی سُننے کو میں نے کیا کُچھ نہیں سُنا۔ مگر ایک بات ضرور کہوں گا کہ دوست کی چیزیں ساجھے کی ہوا کرتی ہیں۔ ہیں نا؟"

وقت بہت کم تھا اِس لیے وُدّو اِس قصّے کو جلد از جلد نپٹانا چاہتا تھا۔ اُسے

معلوم تھا کہ للّو پرلے درجے کا احمق ہے اور زبان اُس کے قابو میں نہیں ہے۔ اگر کسی نے اُسے ذرا بھی بہلایا پھُسلایا تو ساری دنیا میں ڈھنڈورا پیٹ ڈالے گا۔ اب وُدّو کے لیے دو ہی راہیں کھلی تھیں۔ یا تو للّو کو موت کے گھاٹ اُتار دے یا ڈرا دھمکا کر خاموش رکھے۔ وہ بولا:

"اور اگر تمھیں اِس مال میں ساجھی نہ بنائیں تو؟"

یہ کہہ کر وہ للّو کے بالکل قریب آ گیا مگر للّو وُدّو کے قریب آ جانے کو ذرا بھی نہ سمجھا اور بولا۔ "تو پھر وُدّو، بُندُو، کلّن اور جُمّن جیل کی ہوا کھا رہے ہوں گے۔"

"یہ ٹھیک کہا تم نے۔ ہم جیل میں جائیں گے اور تُم جہنّم میں جاؤ۔۔۔"

یہ کہہ کر وُدّو نے اُس کے کلّے پر تان کر زور کا گھونسا مارا۔ وہ لڑکھڑاتا ہوا

دھم سے فرش پر آ گیا اور فرش پر ایک لمبی سی نوکیلی کیل اُبھری ہوئی تھی۔ اُس کے دماغ میں ایسی کھُبی کہ اُس نے وہیں دم دے دیا۔

*****

جب کلّن اور جُمّن مال گودام کی طرف چلے تو تھوڑا فاصلہ طے کرنے کے بعد کلّن کہنے لگا۔ "ہم دونوں کا جانا ٹھیک نہیں۔ خواہ مخواہ لوگوں کو شک ہو گا۔"

جُمّن تو خدا سے یہ چاہتا تھا۔ اُس نے یہ سُن کر اطمینان کا سانس لیا اور پوٹلی کلّن کے ہاتھ میں تھما کر لمبے لمبے ڈگ بھرتا ہوا چلا گیا۔

کلّن پھُونک پھُونک کر قدم رکھ رہا تھا اور ذرا سی آواز پر بھی چونک پڑتا تھا۔ آخر وہ مال گودام کے پرلے سِرے پر پہنچ گیا اور ٹرک کے انجن والے

کریٹ کو ڈھونڈ نکالا۔ اس گریٹ کے ایک طرف ذرا سا کُب نکلا ہوا تھا۔

اس نے جیب سے چاقو نکالا اور کب والے تختے کا پیچ کھول کر بوٹی کو اندر کی طرف کھسکا دیا۔ اس کے بعد پھر پیچ کَس کر واپس چلا گیا لیکن وہ ابھی چند قدم ہی چلا ہو گا کہ اُسے تین آدمیوں کے سائے نظر آئے غور سے دیکھا تو فوراً پہچان لیا۔ دو نو بُندُو اور وُدّو تھے اور تیسرا اُن کی بانہوں میں بے جان لاش کی طرح لٹک رہا تھا۔

کلّن جلدی سے ایک طرف اندھیرے میں دُبک کر بیٹھ گیا۔ اُس نے سانس روک رکھا تھا اور اُن کی طرف ٹکٹکی لگا کر دیکھ رہا تھا۔ وُدّو اور بُندُو دبے پاؤں عرشے کے کٹھرے کی طرف جا رہے تھے۔ جب وہ ذرا آگے بڑھے تو اُن پر روشنی کی ایک مدھم سی کرن پڑی۔ کلّن نے جھٹ بھانپ لیا کہ وُدّو اور بُندُو کی بانہوں میں جو شخص جھول رہا ہے وہ للّو ہے۔

خوف کے مارے کلّن کا بُرا حال تھا۔ اُس کا دِل دھک دھک کر رہا تھا اور پاؤں جیسے وہیں گڑ گئے۔ اتنے میں وُدّو اور بُندُو نے للّو کو زمین پر لِٹا دیا اور بُندُو آہستہ سے بولا:

"چلو قصّہ ختم ہوا۔ مگر سوال یہ ہے کہ اگر کسی نے اِس کے پھٹے سر کو دیکھ لیا تو کیا ہوگا؟ پولیس قاتل کی ٹوہ لگانے کی کوشش نہیں کرے گی۔"

وُدّو للّو کی پتلون کی جیبوں سے چیزیں نکال نکال کر اُس کی صدری کی جیبوں میں ٹھونس رہا تھا جب اُس نے لاش سے اُتار کر اپنے ہاتھوں میں تھام رکھا تھا۔

"تم یوں ہی گھبرا رہے ہو۔" وُدّو بولا۔ "دیکھو میں کیا کرتا ہوں۔"

یہ کہہ کر اُس نے اپنی جیب سے ہیرے کی انگوٹھی نکالی اور للّو کی صدری

کی جیب میں ڈال دیا۔ اس کام سے فارغ ہو کر کہنے لگا :

"اب میری کوشش یہ ہوگی کہ یہ صدری کسی نہ کسی کے ہاتھ آ جائے۔ کیا سمجھے ؟"

بُنڈُو پر جیسے کسی نے جادُو کر دیا تھا۔ بولا : "مرشد کی قسم، کیا لاجواب دماغ پایا ہے تم نے۔"

"لیکن یہ سب کُچھ میں کیوں کر رہا ہوں ؟ معلوم بھی ہے تمھیں ؟"

"جب تم نے مُجھے کُچھ بتایا ہی نہیں تو کیسے معلوم ہو بھلا ؟"

"ارے تمھیں سمجھانا بھی مصیبت ہے۔ چلو اب ذرا پکڑو اِس کی ٹانگیں۔"

کلّن پر اِس بات چیت کا مطلب واضح ہو گیا تھا۔ وہ مارے خوف کے بھاگ

اُٹھا اور بھاگتے بھاگتے اُس کے کانوں میں بے شمار چھینٹے اُڑنے کی آواز آئی، جیسے پانی میں کوئی بہت بھاری چیز گر پڑی ہو۔ غڑاپ!

مُنّو چھُپ کر کلّن کی راہ میں بیٹھا ہوا تھا جو باتیں اس نے سُنی تھیں وہ اُنہیں سمجھا ہو یا نہ سمجھا ہو مگر ایک بات کا اُسے پختہ یقین ہو گیا تھا کہ کلّن ماموں خطرے میں گھِرے ہوئے ہیں۔ جب کلّن اور جُمّن ہیروں کو چھُپانے جا رہے تھے تو مُنّو نے اُنہیں جاتے ہوئے دیکھ لیا تھا اور اب جو کلّن کو واپس آتے دیکھا تو ایک دم اُٹھ کھڑا ہوا اور اُس کا راستہ روک کر مدّھم آواز میں بولا:

"کلّن ماموں!" کلّن فوراً رُک گیا اور اندھیرے میں مُنّو کو غور سے دیکھنے لگا۔ پہلے وہ سمجھا کوئی خواب دیکھ رہا ہے لیکن جب اُسے یقین ہو گیا کہ یہ اپنا جیتا جاگتا مُنّو ہی ہے تو بے اختیار اُس کے منہ سے نکلا۔ "ارے مُنّو تُم؟

یہاں کہاں بیٹے؟" یہ کہتے ہی اُس کے دِل میں طرح طرح کے سوال اُٹھنے شروع ہو گئے۔ جانے یہ کتنی دیر سے یہاں بیٹھا ہوا ہے اور کہیں اِس نے بھی تو بُندُو اور وُدّو کا گھناؤنا فعل نہیں دیکھ لیا۔ مُنّو کا مُنہ عرشے کی طرف تھا، جہاں سے وُدّو اور بُندُو نے للّو کی لاش سمندر میں پھینکی تھی۔ کلّن نے جلدی سے مُنّو کا مُنہ اُدھر سے پھیر دیا اور بولا:

"تُم اطلاع کے بغیر کیوں آ گئے۔ تُم نے تو لکھا تھا کہ آنے سے پہلے خط لکھوں گا۔"

مُنّو سٹپٹا گیا۔ پھر گلا صاف کر کے بولا۔ "میں نے سوچا خط بھیجنے میں دیر لگے گی خود ہی چلا جاؤں اور۔۔۔"

"یہاں پہلے ہی مُصیبت میں جان پھنسی ہوئی ہے اوپر سے تم آ گئے۔" کلّن

نے سر پیٹ کر کہا۔ اصل میں اُسے ہیروں کے معاملے نے پریشان کر رکھا تھا ورنہ وہ اپنے بھانجے سے ایسی سختی سے پیش نہ آتا۔

"مُجھے معلوم ہے تم بڑے پریشان ہو ماموں۔ میں تُم سے کہنے ہی کو تھا کہ وہ جو وُدّو ہے نا، وہ کہہ رہا تھا۔۔۔"

"ہاں ہاں۔ وُدّو۔۔۔۔ کیا کہہ رہا تھا وہ؟ بتاؤ کیا کہہ رہا تھا وہ؟"

"جب میں چھپا ہوا تھا تو وہ اپنے دوست سے کہہ رہا تھا کہ میں نے ہیرے کلّن کے حوالے کر دیے ہیں۔ اگر چھاپا پڑا تو وہی پکڑا جائے گا اور ہمارا بال بھی بیکا نہ ہوگا۔"

"ٹھیک کہتے ہو۔" پیچھے سے ایک مدھم سی آواز آئی۔ دونوں نے پلٹ کر جو دیکھا تو وُدّو کھڑا تھا۔

"بڑا تیز طرار ہے یہ تمہارا بھانجا۔ اور بھی کُچھ بکو ننھے شیطان۔"

"ارے اِسے تو کُچھ بھی نہیں معلوم۔ بچّہ ہی تو ہے۔ یہ کیا جانے دُنیا کے طور طریقے۔" یہ کہہ کر کلّن نے منو کی طرف دیکھا۔ "جی۔ ای۔ ای۔" مُنّو نے ہکلاتے ہوئے کہا۔ وہ بہت سہما ہُوا تھا۔ پولیس کی کشتی جہاز کے قریب آلگی تھی اور جمعدار ملّاحوں کو ہدایات دینے میں مصروف تھا۔ اُس کی آواز وُدّو کو صاف صاف سُنائی دے رہی تھی۔ اُس نے اچانک کلّن کو ایک طرف دھکیلا اور پھر مُنّو پر ٹوٹ پڑا۔ "اگر تُم نے ایک لفظ بھی مُنہ سے نکالا تو تمہاری ہڈّی پسلی ایک کردوں گا۔"

یہ کہہ کر اُسے گریبان سے پکڑ کر دو تین دفعہ جھنجھوڑا۔ مُنّو غریب کی سِٹّی گُم ہو گئی۔ وُدّو نے مُنّو کو فرش پر پٹخا اور خود نظروں سے غائب ہو گیا۔

کلّن کو بچّے کی بے بسی پر رحم آ رہا تھا۔ اُس نے آگے بڑھ کر اُس کو سینے سے لگا لیا اور پھر پچکارتے ہوئے اپنے کیبن میں لے گیا۔

*****

کپتان جعفر اپنے دفتر میں بیٹھے ہوئے نقشوں کا مطالعہ کر رہے تھے کہ چپڑاسی نے سراغ رساں رضا کے آنے کی اطلاع دی اور دفتر کا دروازہ کھول دیا۔ کپتان نے سراغ رساں سے مصافحہ کیا اور چپڑاسی کو کافی لانے کا حُکم دیا ہے۔ باتوں ہی باتوں میں رضا نے اپنے آنے کا سبب بیان کیا اور کپتان کو بتایا کہ وہ جواہرات کی چوری کے سِلسلے میں تفتیش کرنے آیا ہے۔

کپتان جعفر یہ سُن کر چونکے۔

"تفتیش کرنا تو آپ کا فرض ہے اُسے شوق سے ادا کیجئے مگر میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میرے جہاز کا اِس چوری سے کیا تعلّق ہے؟"

رضا نے ایک ٹوپی کپتان کے سامنے رکھ دی اور انگلی سے کڑھے ہوئے حروف "د۔ ج۔ سلطان" کی طرف اشارہ کرکے کہنے لگا۔ "یہ رہی وہ چیز جو جہاز کے ساتھ چوری کی کڑی ملا رہی ہے۔ میں آپ کے عملے کے آدمیوں سے کُچھ پوچھ گُچھ کروں تو آپ بُرا تو نہ مانیں گے؟"

"نہیں صاحب۔ اِس میں بُرا ماننے کی کیا بات ہے۔ شوق سے پوچھ گُچھ کیجیے۔ میں ابھی ملّاحوں کے جمعدار کو بُلاتا ہوں۔ وہ عملے کے ہر آدمی کو اچھّی طرح جانتا ہے اور وہ۔۔۔" ابھی کپتان کا جُملہ پورا نہ ہونے پایا تھا کہ ایک ٹھنگنا سا دُبلے پتلے جسم کا چاق و چوبند شخص دفتر میں داخل ہوا۔ ایک صدری اُس کے کندھے پر لٹکی ہوئی تھی۔ کپتان نے سُراغ رساں سے

کہا۔ "لیجیے وہ خود ہی آ گیا۔ بھئی علی بہادر، یہ رضا صاحب ہیں، سراغ رساں۔ ایک چوری کی تفتیش کے سلسلے میں یہاں تشریف لائے ہیں۔"

"بہت بہتر جناب، اور جناب میں یہ عرض کرنے آیا تھا کہ ہمارے عملے کا ایک آدمی للّو سمندر میں ڈوب گیا ہے۔"

"ڈوب گیا ہے؟"

"جی جناب، وہ سمندر میں ڈوب گیا ہے۔ ایک شخص نے اُسے کودتے بھی دیکھا تھا۔ میرا خیال ہے کہ اُس نے پولیس کو آتے دیکھا تو گھبرا کر سمندر میں چھلانگ لگا دی۔"

"وہ کس قسم کا آدمی تھا؟"

"بڑا کام چور تھا جناب۔ یہ صدری اُسی کی ہے جو ایک ملّاح کے ہاتھ لگی اور

اُس نے میرے حوالے کر دی۔"

"ہوں۔" یہ کہہ کر جعفر صاحب نے صدری رضا کو دے دی جس نے اُس کی جیبوں کو اُلٹنا پلٹنا شروع کر دیا۔ وہ چیزیں نکالتے ہوئے بڑبڑاتا جاتا تھا :

"سگریٹ ہیں۔ ماچس ہے۔ تڑا مُڑا سا کارڈ ہے، اور یہ کیا؟ ہیرے کی انگوٹھی۔ بس یہ ٹوپی اِسی شخص کی ہے۔ اِسی نے نوّاب بیگم کے گھر چوری کی ہوگی۔۔۔ اچھا صاحب۔ اب مُجھے اجازت دیجیے۔ سُراغ مل گیا ہے۔ اب سارا معاملہ صاف ہو جائے گا۔ اگر اِس سِلسلے میں پھر آپ کی مدد کی ضرورت پڑی تو حاضر ہو جاؤں گا۔"

کپتان صاحب رضا کو رُخصت کر کے ساحل پر آئے اور اپنی کار کی طرف بڑھے۔ اُن کی کوٹھی بندرگاہ سے تھوڑے ہی فاصلے پر تھی۔ کلّن کو معلوم

تھا کہ کپتان صاحب اِس وقت اپنے گھر جاتے ہیں۔ وہ کار کے پاس کھڑا اُن کا انتظار کر رہا تھا۔ پہلے اُس نے سوچا تھا کہ کپتان صاحب کو ساری بات بتا دے گا، مگر پھر مُنّو کی خاطر اُس نے ارادہ بدل دیا۔ اُسے خیال آیا اگر اِس بات کی بھنک بھی وُدّو کے کانوں میں پڑ گئی تو اُسے مُنّو کے سوا کسی اور پر شُبہ نہیں ہو گا۔ اُس کی کوشش یہ تھی کہ وہ مُنّو کو کسی ایسی جگہ بھیج دے جہاں وہ اِن بدمعاشوں کی نظروں سے دور رہے اور اِسی سِلسلے میں وہ کپتان صاحب سے بات چاہتا تھا۔

کپتان صاحب کو یہ فکر کھا رہی تھی کہ اگر چور کی خبر اخباروں میں چھپ گئی تو اُن کے جہاز کی ساکھ کو سخت نقصان پہنچے گا۔ وہ اِسی سوچ میں گُم کلّن کے پاس سے گزرے تو اُس نے بڑے ادب سے اُنھیں سلام کیا۔ کپتان صاحب چونک گئے اور کلّن کو سوالیہ نگاہوں سے دیکھنے لگے۔

کلّن نے کپتان کی فکر مندی دیکھی تو اُس کا جی تو نہ چاہا کہ ایسے وقت میں اُنہیں تکلیف دے۔ مگر اب بات کے سوا اور کوئی چارہ بھی نہ تھا۔ اُس نے رُک رُک کر کہنا شروع کیا:

"حضور، میرا ایک یتیم بھانجا ہے، مُنّو۔ تیرہ سال کا ہو گا۔ وہ میرے پیچھے پڑ گیا ہے کہ مُجھے بھی جہاز میں نوکر کرا دو اور۔ ۔ ۔"

کپتان صاحب کلّن کا بہت خیال کرتے تھے۔ وہ اُن کے جہاز پر دس سال سے ملازم تھا اور آج تک اُن کے پاس اُس کی شکایت نہیں آئی تھی۔ اُنھوں نے نرمی سے کہا۔

"تمہیں معلوم ہے، بچّے جہاز پر کام نہیں کر سکتے۔ خیر کل صُبح اُسے میرے دفتر میں لے آنا۔ میں اُس کے بارے میں سوچوں گا۔"

"بہت مہربانی حضور۔ خُدا آپ کو خوش رکھے۔" کلّن نے گِڑگڑا کر کہا۔ "اگر آپ نے اُس کا کُچھ ٹھکانا کر دیا تو وہ عُمر بھر آپ کی جان و مال کو دعائیں دیتا رہے گا۔"

وُدّو کی شرارت

دوسرے دِن صُبح سویرے مُنّو کی آنکھ کھُلی تو اُسے یہ دیکھ کر حیرانی ہوئی کہ
وہ ایک تختے پر لیٹا ہوا ہے۔ اُس کے اوپر دو تختے اور بھی تھے جو دیوار میں
لگے ہوئے تھے۔ مگر یوں معلوم ہوتا تھا کہ رات کو ان کے اوپر کوئی بھی
نہیں سویا تھا۔ اس کے تختے کے قریب ہے فرش پر دودھ کا گلاس رکھا ہوا
تھا اور اس کے ساتھ چند بسکٹ بھی تھے۔ وہ دودھ میں بسکٹ بھگو بھگو کر
کھانے لگا۔ کھاتے کھاتے اُسے ایکا ایکی ماموں کلّن کا خیال آیا اور اُس

نے دِل ہی دِل میں خدا کا شکر ادا کیا کہ وہ پولیس سے بچ نکلا ہے۔ وہ خوش تھا کہ اُس نے ماموں کلّن کو یہ نہیں بتایا کہ وہ ہیروں کے متعلّق سب کُچھ جانتا ہے اور یہ بھی جانتا ہے کہ وہ کہاں چھپائے گئے ہیں۔ اگر وہ بتا دیتا تو ماموں کلّن بہت پریشان ہوتے اور وہ اپنے ماموں کو کسی حالت میں بھی پریشان کرنا نہیں چاہتا تھا۔

وہ یہ باتیں سوچ ہی رہا تھا کہ اوپر سے دھم دھم کی آوازیں آنا شروع ہو گئیں۔ معلوم ہوتا تھا کہ سامان جہاز سے اُتار کر ساحل پر پہنچایا جا رہا ہے اور اِسی سامان میں وہ ہیروں والا کریٹ بھی تھا۔ کریٹ کا خیال آتے ہی وہ تڑپ اُٹھا اور چھپاک سے عرشے پر پہنچ گیا۔ وہاں کیا دیکھتا ہے کہ ایک کرین بھاری بھرکم چیزوں کو اُٹھا اٹھا کر ساحل پر رکھ رہی ہے۔ نیچے جمع دار کاغذوں کا پلندہ بغل میں دبائے ملّاحوں کو ہدایات دے رہا تھا اور ایک

آدمی، کرین کے چھوٹے سے کیبن میں بیٹھا، اُن ہدایات کے مطابق کرین کو کبھی دائیں کبھی بائیں اور کبھی اوپر کبھی نیچے گھماتا جاتا تھا۔ مُنّو بڑی دِل چسپی سے یہ نظّارہ دیکھ رہا تھا کہ پیچھے سے کسی نے اپنا چوڑا چکلا ہاتھ اُس کے کندھے پر رکھ دیا۔ اُس نے پلٹ کر دیکھا تو کلّن کھڑا مُسکرا رہا تھا۔ مُنّو "ماموں" کہہ کر بے تحاشا اُس سے لپٹ گیا۔

"کیوں بیٹے، کیا یہ کرین کا تماشا بہت مزے دار ہے۔"

"ہاں ماموں، بہت مزے کا تماشا ہے یہ۔ اگر یہاں نوکر ہو جاؤں تو کتنی اچھّی بات ہو۔ آپ مجھے نوکر رکھوا دیں گے نا ماموں۔"

"ارے بیٹے، تمھیں تو افسر بننا چاہیے افسر۔ تمھاری ماں کی بھی یہی آرزو تھی۔ جب تم پیدا ہوئے تو وہ کہتی تھی، میرا بیٹا افسر بنے گا۔"

"ماموں تُم افسر کیوں نہیں بنے؟"

"میں نِرا اُلّو ہوں۔ سیدھے سادے معاملے کو بگاڑ کر رکھ دیتا ہوں۔ اِسی لیے مُصیبتوں میں پھنس جاتا ہوں۔

"تم بے فکر رہو ماموں۔ جہاں تک بن پڑا میں تمہاری مدد کروں گا۔ مجُھے سب کُچھ معلوم ہے۔ اِس وُدّو شیطان نے تمہیں اِس مُصیبت میں پھنسایا ہے۔"

کلّن سٹپٹا سا گیا۔ "تمہیں سب کُچھ معلوم ہے۔ کیا مطلب؟ بولو۔ جلدی بولو؟"

"جو باتیں وُدّو نے تُم سے اُس وقت کہی تھی میں نے وہ ساری سُن لی تھیں اور وہ ہیروں کی پوٹلی بھی دیکھ لی تھی جب تم نے کریٹ میں چھُپا دیا

تھا۔ اب اُن ہیروں کا کیا ہو گا؟"

"کیا جانوں کیا ہو گا۔ مگر دیکھو بیٹے، تُم اِس کے متعلّق کسی سے ذکر نہ کرنا ورنہ میں ہوں گا اور کالی کوٹھری۔"

"توبہ کرو۔ میں کوئی ایسا بھی نادان تو نہیں ہوں۔ مر جاؤں گا مگر ہیروں کی بات کسی کو نہیں بتاؤں گا۔"

"شاباش بیٹے شاباش۔ ہاں ایک بات اور سُنو۔ میں نے کپتان صاحب سے تمہارا ذکر کیا تھا۔ اُنہوں نے کہا ہے کہ صُبح اُسے دفتر میں لے آنا۔ میں اُس کی نوکری کی کوئی نہ کوئی سبیل نکالوں گا۔ تم یہیں ٹھہرو جانے وہ کس وقت تمہیں بلا بھیجیں۔"

"مگر تُم کہاں جا رہے ہو ماموں؟"

"میں اپنے کام پر جا رہا ہوں۔ اگر دیر ہو گئی تو جمعدار خفا ہو گا۔"

"مگر ماموں، وہ وُدّو۔" مُنّو وُدّو سے اتنا ڈرا ہوا تھا کہ اُس کا نام لیتے وقت خوف کے مارے ہکلانے لگتا تھا۔

"اس کی کیا مجال جو تمھیں چھُو بھی سکے۔ اور میرا بیٹا ہے بھی تو شیر، شیر بھی کسی سے ڈرا کرتے ہیں بھلا؟"

یُوں دِلاسا دے کر کلّن یہ جا وہ جا۔ نظروں سے غائب ہو گیا۔

*****

سلطان جہاز راں کمپنی کا میجر احسن اپنے دفتر میں بیٹھا امامی سے بڑے تلخ لہجے میں باتیں کر رہا تھا۔ "کہاں سے وُدّو کا بچّہ ملا نہیں تمھیں؟"

"میں نے تو اُسے ملنے کی بہت کوشش کی مگر وہ جان بوجھ کر راستا کاٹ گیا۔

میں اُس کے پیچھے بھاگا تو وہ جھانسا دے کر رفو چکّر ہو گیا۔"

"ہونہہ، اِس سے تو یہی ظاہر ہوتا ہے کہ اُس کی نیّت بدل گئی ہے۔ میرا خیال ہے وہ اِس وقت ملّاحوں کے ہاسٹل میں بیٹھا ہو گا۔ ذرا اُسے ٹیلی فون کرنا۔"

*****

ملّاحوں کے جس ہاسٹل کا ذکر احسن کر رہا تھا۔ وہ ایک لمبا سا تنگ تاریک کمرہ تھا جس میں مدھم سی روشنی ہو رہی تھی۔ اُس کے پرلی طرف ایک اور کمرہ تھا جہاں سونے کے لیے چارپائیاں بچھی ہوئی تھیں۔ ایک لمبی چوڑی میز پر کھانے کے برتن یُوں پڑے ہوئے تھے جیسے مکھّیاں بھنبھنا رہی ہوں۔ اُس میز کے ارد گرد چار شخص بیٹھے ہوئے تھے جو ابھی کھانے سے فارغ ہوئے تھے۔ میز کے اِس کنارے وُدّو او بُندُو بیٹھے تھے اور

دوسرے کنارے پر کلّن اور جُمّن۔ کلّن سوچ میں ڈوبا ہوا اپنی چائے کی خالی پیالی کو گھور رہا تھا۔ اگرچہ اُس نے ہاسٹل کو آتے ہوئے راہ میں جُمّن کو للّو کے قتل کی بابت سب کُچھ بتا دیا تھا تاکہ دِل کا بُوجھ ہلکا ہو جائے، مگر ضمیر کے کچوکے پھر بھی اُسے چین نہیں لینے دیتے تھے۔ اچانک کمرے کی خاموشی کو ٹیلی فون کی آواز نے توڑ ڈالا اور کلّن بڑھ کر ٹیلی فون کا چونگا اُٹھانے کو تھا کہ وُدّو نے اُسے ڈپٹ دیا: "خبردار جو اِسے اُٹھایا۔ احسن یا امامی ہوگا۔"

"مگر کوئی اور بھی تو ہو سکتا ہے؟" جُمّن بولا۔

"اور کون ہو سکتا ہے بھلا؟" وُدّو نے پوچھا۔

"مُجھے رہ رہ کر للّو کا خیال آ رہا ہے۔ کہیں وہی نہ ہو۔"

وُدّو کی حالت دیکھنے کے قابل تھی۔ چہرے کا رنگ اُڑ رہا تھا اور سٹّی گُم ہو گئی تھی۔ مگر آدمی تھا ہوشیار۔ فوراً سنبھل گیا اور کہنے لگا :

"تمہاری بات میں سمجھا نہیں۔" اب کاہے کو سمجھو گے۔ ارے پاپی، تُو نے ہی تو اُسے قتل کیا ہے، میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔" کلّن بھرّائی ہوئی آواز میں بولا۔

"بھئی کیا بات ہے تمہاری۔ اگر تمہارے ماں باپ کو پتا ہوتا کہ تُم اتنے فریبی نکلو گے تو تمہارا نام کلّن نہ رکھتے، عُمرو عیّار رکھتے۔ سُنتے ہو بُندُو، کلّن کہتا ہے للّو کے قاتل ہم ہیں۔ یعنی تُو اور میں۔"

یہ سُن کر بُندُو نے گھونسا تان لیا اور بھی شِست باندھ ہی رہا تھا کہ وُدّو نے آنکھ ماری۔ وہ چُپکا ہو بیٹھا۔ پھر اُس نے کان سے کہا۔

"اے نیک فرشتے تُو یہ بتا کہ للّو والی بات کو تیرے بھانجے نے تو نہیں دیکھا؟"

"اُس کے تو فرشتوں کو بھی خبر نہیں۔ اب میں جا رہا ہوں۔ اگر کوئی اور واہیات سوال کرنا ہو تو کر لو۔"

"ہاں۔ میں ایک اور۔" وُدّو نے یہ کہہ کر انگلی کا اگلا پوروا پستول کی مانند اُس کے سینے پر رکھ کر پوچھا۔ "کیا تُو نے للّو کو اِس لیے موت کے گھاٹ اتارا تھا کہ ہم غریبوں کو قاتل مشہور کر دے اور اِس طرح جھُوٹ بولنے سے تو قانون کے ہاتھ سے بچ سکتا ہے؟" اچانک ٹیلی فون کی گھنٹی دوبارہ بجی اور دیر تک بجتی رہی۔ مگر کوئی بھی جواب کے لیے نہ اُٹھا اور اُٹھتا بھی کون۔ چاروں کو اپنے اپنے خیالوں کے بھنور میں غوطے کھا رہے تھے۔ جب وُدّو کو یقین ہو گیا کہ وہ کلّن پر پوری طرح حاوی ہو چکا ہے تو ایک ایک

لفظ کو تول کر کہنے لگا۔ "للّو اب اللہ کو پیارا ہو چکا ہے۔ فاتحہ پڑھو اور اُسے بھول جاؤ۔ سوچنے کی بات اب یہ ہے کہ ہیروں کو کس طرح حاصل کیا جائے۔ وہ جہاں چھپائے گئے ہیں، اُس کا علم ہم چاروں کے علاوہ کلّن کے بھانجے کو بھی ہے۔ سو۔۔۔۔"

جُمّن نے بات کاٹ کر کہا۔ "سو کیا؟ یہ کام ہمارا نہیں احسن صاحب کا ہے۔ وہی جانیں کہ اُنہیں کس طرح حاصل کیا جائے۔ کیا تُم نے خود نہیں کہا تھا کہ اِس کام کو اُنہی کے حُکم پر کر رہے ہو؟"

وُدّو نے مُسکرا کر کہا۔ "مگر اُسے تو اُن کے ٹھکانے کا علم ہی نہیں ہے۔ یہ تو ہم ہی جانتے ہیں کہ وہ کہاں ہیں؟"

"مگر تُم اپنے فرض سے کیوں جی چُرا رہے ہو۔ تمہارا فرض ہے کہ احسن

صاحب کو جا کر بتاؤ۔"

"یہ اچھّا فرض ہے کہ میں اُن کے گھر تو دولت کے انبار لگا دُوں اور خود پیسے پیسے کے لیے اُن کا مُنہ تکا کروں۔ کیوں؟ کیا تمھیں، مُجھے، کلّن اور بُندُو کو دولت بُری لگتی ہے؟"

"تم جیسے چالاک آدمی کو تو لکھ پتی ہونا چاہیے تھا۔" جُمّن نے کہا۔

"کلّن نے جُمّن کی یہ بات سُنی تو تڑپ کر بولا۔ "یا پھانسی کے تختے پر لٹکتا ہوا نظر آنا چاہیے تھا۔ یہ بھی تو کہو۔ میں تمھاری اس دولت پر تھوکنے کے لیے بھی تیّار نہیں ہوں۔"

"یہ بات ہے تو سُنو۔ تم پوری طرح میری گرفت میں ہو۔ میں جب چاہوں تمھیں پھانسی پر چڑھوا سکتا ہوں۔ میرے پاس پورا ثبوت ہے کہ للّو کو تم

نے قتل کیا ہے۔ خیر چاہتے ہو تو مُجھ سے ٹکّر لینے کوشش مت کرو اور اپنے بھانجے کو بھی منع کر دو کہ وہ اپنی زبان نہ ہلائے۔" وُدّو نے دیدے نکال کر کہا۔ پھر وہ اور بُنڈُو کمرے سے نکل گئے۔ اُن کے جانے کے بعد کلّن اور جُمّن بھی باہر آ گئے۔ جُمّن کہنے لگا۔ "کلّن وُدّو کہیں مُنّو غریب کو کوئی تکلیف نہ پہنچائے۔"

"خاطر جمع رکھو۔ مُنّو بالکل محفوظ ہے۔"

*****

کلّن کے جانے کے بعد مُنّو ٹہلتا ٹہلتا دفتر کی طرف نکل گیا۔ وہ سوچ ہی رہا تھا کہ اب کدھر جاؤں کہ پیچھے سے آواز آئی۔ "میاؤں۔" اُس نے جلدی سے مُڑ کے دیکھا۔ ایک زرد آنکھوں والی کالی اور موٹی بلّی کھڑی تھی۔ اُس نے اُسے چمکارا تو وہ خُر خُر کر کے اُس کے پیروں سے لپٹنے لگی۔ مُنّو نے

اُسے گود میں اٹھا لیا اور پیار سے اس پر ہاتھ پھیرنے لگا۔ اتنے میں ایک لڑکا اُس کے پاس آ کر کھڑا ہو گیا۔ اس نے صاف ستھرا لباس پہن رکھا تھا اور عُمر میں اُس سے ذرا بڑا تھا۔ اُس نے مُنّو کو گھور کر دیکھتے ہوئے کہا : "یہ کیا کر رہے ہو؟"

مُنّو نے بھی اُسے گھور کر دیکھتے ہوئے کہا : "دِکھائی نہیں دیتا کیا؟ بلّی کو پیار کر رہا ہوں اور کیا؟"

"اِسے پیار اچھّا نہیں لگتا۔" اُس لڑکے نے بگڑ کر کہا۔

"میں کہتا ہوں اِسے پیار اچھّا لگتا ہے جبھی تو خُر خُر کر رہی ہے۔ مگر یہ تو بتاؤ تُم ہو کون؟"

"میرے ڈیڈی اِس جہاز کے کپتان ہیں؟"

"مگر وہ اِس بلّی کے کپتان تو نہیں ہیں۔"

"بہت دیر ہو چکی۔ اب چھوڑ دو اِسے۔"

بلّی تو دُم دبا کر غائب ہو گئی مگر یہ دونوں ایک دوسرے سے اُلجھ پڑے۔ وہ لڑکا مُنّو سے بڑا تھا مگر طاقت میں دونوں برابر تھے۔ لڑتے لڑتے دونوں کے مُنہ سُرخ ہو گئے اور سانس پھول گئے۔ اتنے میں ایک پیاری سی لڑکی اُن کے بیچ میں آ گئی اور کڑک کر بولی۔ "رُک جاؤ سمّی، شرم نہیں آتی تمھیں۔ اپنے سے چھوٹے پر ہاتھ اُٹھاتے ہوئے؟"

"پہل تو اِس نے کی تھی۔"

"مگر تمھیں یہ خیال کرنا چاہیے تھا کہ وہ تُم سے چھوٹا ہے۔" یہ کہہ کر اُس نے مُنّو سے پوچھا۔ "تمھارے چوٹ تو نہیں آئی؟"

"نہیں۔ آپ کا شکریہ۔ یہ یونہی مُجھ سے اُلجھ پڑے۔ میں نے تو کُچھ بھی نہیں کہا تھا۔" مُنّو ہانپتا ہوا بولا۔ "میں تو اپنے ماموں کلّن کا انتظار۔۔۔۔"

"تُم کلّن کے بھانجے ہو؟" لڑکی نے پوچھا۔

"جی ہاں۔"

"تو پھر آؤ میرے ساتھ۔ میرے ابّا اور امّی تمہارا انتظار کر رہے ہیں۔ اپنے کپڑے ٹھیک کر لو۔" لڑکی نے اُس کا ہاتھ پکڑتے ہوئے کہا۔

کپتان جعفر اپنے دفتر میں بیٹھے تھے۔ اُن کے پاس اُن کی بیگم بیٹھی تھیں۔ کپتان صاحب کاغذ دیکھ رہے تھے مگر چہرے سے بیزاری ٹپک رہی تھی۔ اُن کی بیگم نے پوچھا: "اور کلّن کے بھانجے کے متعلّق کیا سوچا آپ نے؟ میں تو کہتی ہوں اُسے نوکر رکھ ہی لیا ہوتا آپ نے جہاز پر۔"

"آپ بھی کمال کرتی ہیں بیگم۔ میں پہلے بھی بتا چکا ہوں کہ کم عمر لڑکوں کو نوکر رکھنا اصول کے خلاف ہے۔"

"اچھا تو پھر اِسے گھر میں نوکر رکھ لیتے ہیں۔" بیگم نے کہا۔

عین اِس موقع پر وہ لڑکی مُنّو کا ہاتھ پکڑے دفتر میں داخل ہوئی اور کہنے لگی :

"امّی، یہ رہا کلّن کا بھانجا۔ مُنّو اِس کا نام ہے۔"

بیگم نے مُسکراتے ہوئے یُوں کہا جیسے پُرانی جان پہچان ہے۔ "اچھا، تو تُم ہو وہ مُنّو۔"

مُنّو نے اُن دونوں کو سلام کیا اور بولا : "جی بیگم صاحبہ نام تو میرا منیر ہے مگر سب مُجھے مُنّو کہہ کر پکارتے ہیں۔"

"تُو ہم بھی مُنّو ہی کہہ کر پکاریں گے تمہیں۔ سو مُنّو بھئی، اب تم ہمارے

گھر رہو گے اور چھوٹے موٹے کام میں ہمارا ہاتھ بٹایا کرو گے۔ یہ میری لڑکی ہے، اس کا نام نِیلو ہے۔ اِس کا ایک بھائی بھی ہے۔ اُس کا نام سمّی ہے۔"

مارے خوشی کے مُنّو کا چہرہ خوشی سے کھِل اُٹھا۔ پھر اچانک اُسے اپنے ماموں کا خیال آیا۔ وہ یہ نہیں چاہتا تھا کہ اُس کا ماموں تو خطروں میں گھِرا رہے اور وہ خود کپتان صاحب کے گھر میں رہے۔ اُس نے ڈرتے ڈرتے کہا: "کیا میرے ماموں بھی میرے ساتھ رہیں گے بیگم صاحبہ؟"

اس پر بیگم جعفر نے اپنے شوہر کی طرف دیکھا۔ کپتان صاحب اُٹھ کر مُنّو کے پاس گئے اور پیار سے اُس کے کندھوں پر ہاتھ رکھ کر کہنے لگے:

"کلّن جہاز پر ملازم ہے۔ اُسے اِتنی فرصت کہاں کہ وہ ہمارے پاس آ کر

رہے، البتہ وہ تم سے ملنے ضرور آیا کرے گا۔"

"ہاں ہاں۔ وہ تم سے ملنے ضرور آیا کرے گا یہاں۔" بیگم نے کہا۔ "اور سُنو، اگر کوئی چیز لانی ہو تو لے آؤ۔ جلدی سے۔"

"بہت اچھّا بیگم صاحبہ۔ میرے پاس کپڑوں کے دو جوڑے اور ہیں۔ وہ میں ابھی لے کر آتا ہوں۔" یہ کہہ کر مُنّو ہوا ہو گیا۔ اُس نے اپنے کپڑے ایک اخبار میں لپیٹ کر جہاز کے مال خانے میں رکھ دیے تھے۔ بھاگم بھاگ وہاں پہنچا۔ دوپہر کا وقت تھا اور ہُو کا عالم۔ ملّاح کھانا کھانے باہر گئے ہوئے تھے۔ مُنّو نے مال خانے سے باہر نکل کر اِدھر اُدھر دیکھا تو اُسے وُدّو اور بُندُو نظر آئے جو کُچھ فاصلے پر کھڑے باتیں کر رہے تھے۔ اُنھوں نے بھی اُسے دیکھ لیا اور خوشی کے مارے اُن کی باچھیں کھِل گئیں۔ بُندُو کہنے لگا۔ "لو اللہ نے خود ہی ہمیں شکار مہیّا کر دیا ہے۔ خبیث کو ایسی ڈُبکی

دُوں گا کہ ۔ ۔ ۔ "

"یہ بہت اچھّا موقع ہے اِسے غائب کرنے کا۔ " وُدّو نے کہا۔

"کم بخت، جانے نہ پائے ۔ " بُندُو بولا۔

"ایسا ہی ہو گا۔ اب سُنو میری بات ۔ میں مال خانے کے دروازے پر کھڑا ہوتا ہوں اور تُم اِن سیڑھیوں پر کھڑے ہو جاؤ جو نیچے جاتی ہیں۔ اِس طرح بھاگ نکلنے کی سب راہیں اس پر بند سمجھو۔ لو ایک ۔ دو۔ تین ۔ "

بُندُو سیڑھیوں کی طرف چلا اور وُدّو مال خانے کے دروازے کی طرف ۔ اُس دروازے کو ہاتھی دروازہ کہتے تھے ۔ وہ بہت اُونچا اور بہت چوڑا تھا ۔ وُدّو ایک طرف دروازے سے لگ کر کھڑا ہو گیا۔ مُنّو نے پُڑا بغل میں دبا کر چلنے کے لیے قدم اٹھایا تو وُدّو سے آنکھیں چار ہو گئیں۔

مُصیبتیں جھیل جھیل کر مُنّو کا دِل کڑا ہو گیا تھا۔ اُس نے اِس نازک وقت میں بھی اپنے اوسان خطا نہ ہونے دیے اور سینہ تان کر کھڑا ہو گیا۔

"چل بے میرے ساتھ فوراً۔ مُجھے کلّن نے بھیجا ہے کہ تُجھے لیتا آؤں۔" وُدّو نے کہا۔

"ماؤں کلّن کو کیا پڑی تھی کہ تمہیں بھیجتے۔ وہ خود نہیں آ سکتے تھے؟" مُنّو نے زور سے کہا۔

"زیادہ بحث کی ضرورت نہیں۔ چل نکل یہاں سے۔۔" کہہ کر وُدّو آگے بڑھا تو مُنّو تیزی سے دوسری طرف ہو گیا۔ تھوڑی دیر تک دونوں آنکھ مچولی کھیلتے رہے۔ پھر مُنّو نے تِیر کی طرح دروازے سے نکل کر بھاگنا شروع کر دیا۔ وُدّو نے شکار ہاتھ سے جاتا دیکھ کر زور سے ہانک لگائی۔

"بُنڈو پکڑنا۔ جانے نہ پائے۔"

بُنڈو ہڑبڑا کر مُنّو کے پیچھے دوڑا۔ مگر مُنّو کنی کترا کر سیڑھیاں اُتر گیا اور کہیں کا کہیں پہنچ گیا۔

"ارے بُدھو، سیڑھیاں کیوں چھوڑ آئے؟" ڈُڈّو نے سر پیٹ کر کہا۔ پھر دونوں مُنّو کے پیچھے لپکے۔ مُنّو نے پلٹ کر دیکھا تو دونوں بُری طرح ہانپ رہے تھے۔ اُس نے آؤ دیکھا نہ تاؤ، سیدھا کرین کی سیڑھیاں چڑھ دوڑا۔ پھر بہت اوپر جا کر نظر دوڑائی تو سر چکرانے لگا۔ مگر اُس نے اتنا دیکھ لیا کہ بُنڈو احتیاط سے ایک ایک سیڑھی چڑھتا ہوا اوپر آ رہا ہے۔ مُنّو اور تیزی سے قدم اُٹھانے لگا اور چڑھتے چڑھتے جب کرین کا چھوٹا سا کیبن سامنے آیا تو فوراً اُس میں گھُس گیا اور سوئچ بورڈ کے ایک بٹن کو سوچے سمجھے بغیر دبا دیا۔ بٹن چھونے کی دیر تھی کہ زبردست گڑگڑاہٹ ہوئی جیسے کوئی

بھونچال آگیا ہو۔ کرین ہلنے لگ پڑی۔ مُنّو پہلے تو گھبرایا گیا۔ اُس نے نیچے دیکھا تو بُندُو اُلٹے پاؤں جلدی جلدی لوٹ رہا تھا۔ اس نے اب کی دوسرا بٹن دبا دیا جس سے کرین کا کوئی سو گز لمبا ہاتھ تیزی سے ساحل کی طرف بڑھا اور ایک ٹرالی کو اپنے ہُک میں اُڑس کر واپس ہونے لگا۔ اِس ٹرالی میں ایک آدمی بے خبر سو رہا تھا۔ وہ اِس ناگہانی آفت سے اس قدر ڈر گیا کہ فوراً اُٹھ کھڑا ہوا اور دُہائی دینے لگا: "ارے پکڑیو! مارا گیا۔ مدد۔ مدد۔"

اُس کا شور سُن کر مُنّو گھبرا گیا اور اُس نے ایک اور بٹن پر ہاتھ مارا جس سے کرین چُپ چاپ کھڑی ہو گئی۔ اب چونکہ لوگوں کے اکٹھا ہونے اور معاملے کی تحقیق کیے جانے کا ڈر تھا اس لیے مُنّو نے موقع غنیمت جانا اور بلّی کی سی پھرتی کے ساتھ سیڑھیوں سے اُتر کر ایک طرف کو بھاگا۔ بھاگتے بھاگتے پیچھے بھی دیکھتا گیا کہ کوئی اُس کا پیچھا تو نہیں کر رہا۔ پیچھا تو کوئی نہیں

کر رہا تھا البتّہ لوگ اکٹھے ہونے شروع ہو گئے تھے اور ایک ہنگامہ سا بپا تھا۔

جب وہ بھاگتے بھاگتے ایک چھوٹی سی سڑک پر آگیا تو وہ یہ دیکھ حیران رہ گیا کہ وہاں نیلو کھڑی ہے۔ وہ اُسے دیکھ کر بولی :

"ارے مُنّو، یہ کیا حال ہو رہا ہے تمہارا؟ کہاں غائب ہو گئے تھے تُم؟"

مُنّو کا سانس پھول رہا تھا۔ بڑی مُشکل سے اتنا ہی کہنے پایا : "ابھی نہیں۔ پھر بتاؤں گا۔ بھاگو میرے ساتھ۔"

ٹیلیفون

"ارے بھاگے کیوں جا رہے ہو؟ یہ تو ہمارا اپنا علاقہ ہے۔" نِیلو نے ہانپتے ہوئے کہا اور پھر اُنگلی سے اِشارہ کرتے ہوئے کہنے لگی: "وہ رہا ہمارا اسکول اور وہ رہی مٹھائیوں کی دُکان جہاں سے ہم ٹافی اور چاکلیٹ خریدا کرتے ہیں۔"

تھوڑی دور چل کر وہ ایک چھوٹی سی کنکریوں والی راہ پر ہو لیے جو ایک سبز رنگ کے جنگلے والے دروازے پر جا کر ختم ہو جاتی تھی۔ مُنّو کئی طرح کے

خیالوں میں کھویا ہوا تھا۔ وہ دِل میں کہہ رہا تھا۔ یہ تو درست ہے کہ میں وُدّو اور بُندُو کے چُنگل سے آزاد ہو گیا ہوں مگر ماموں کلّن تو اُن کے نرغے میں گھرے ہوئے ہیں۔ اُن کا کیا بنے گا؟ اور نہ جانے اُنھوں نے مُجھے اس قدر سختی سے کیوں منع کر دیا ہے کہ میں ہیروں کا ذکر کسی سے نہ کروں۔ خیر میں ہیروں کی بابت ایک لفظ بھی نہیں کہنے کا۔ پھر اُسے کرین والے معاملے کا خیال آیا۔ اُس نے سوچا اللہ جانے کپتان صاحب اُس کے متعلّق کیا کُچھ پوچھیں اور میں بوکھلاہٹ میں کیا کُچھ اوٹ پٹانگ بک جاؤں۔ اُس نے نِیلو کو کنکھیوں سے دیکھا اور بولا:

"آپ وہ کرین والی بات کسی سے نہ کہنا۔"

نِیلو بولی۔ "ہرگز نہیں۔ اگر ڈیڈی نے سُن لیا تو طوفان اُٹھ کھڑا ہو گا۔ جب میں نے لوگوں کو اکٹھا ہوتے اور تمہیں بجلی کی سی تیزی سے اُترتے دیکھا تو

مُجھے یقین نہیں آ رہا تھا کہ میں جاگ رہی ہوں یا خواب دیکھ رہی ہوں ۔ مگر تمھیں کیا ہو گیا تھا جو اتنی بُلندی پر جا پہنچے ؟"

"میں ۔ میں دیکھنا چاہتا تھا کہ کرین کس طرح چلتی ہے ۔"

"خُدا کا شکر کرو جو وہ تھم گئی ورنہ خُدا جانے کیا قیامت بپا ہو جاتی ۔ آئندہ ایسی چیزوں کو ہاتھ بھی مت لگانا کبھی ۔" اب وہ دونوں کپتان صاحب کے بنگلے کے صدر دروازے کے سامنے کھڑے تھے جس پر ایک تختی لگی ہوئی تھی ۔ اُس پر لکھا تھا :

کپتان جعفر

بنگلہ نمبر ۴۹

نِیلو نے دروازہ کھول دیا اور مُنّو کا ہاتھ پکڑ کر اندر لے گئی ۔ اچانک مُنّو کو

سمّی کا خیال آیا۔ وہ گھبرا کر بولا :

"نِیلو بی بی! اگر میرے یہاں رہنے سے آپ کے بھائی صاحب ناراض ہوتے تو میں یہاں سے بھاگ جاؤں گا۔"

"اس بات کا فکر نہ کرو۔ وہ تمہیں کُچھ نہیں کہیں گے۔ یہ میرا ذمّہ رہا۔" نِیلو نے کہا۔

بنگلے کی برساتی میں بیگم جعفر کھڑی ڈرائیور سے باتیں کر رہی تھیں۔ اُنہوں نے مُنّو کو دیکھا تو بولیں :

"آ گئے بھئی تم؟ میں تو بڑی فکر مند تھی کہ جانے اتنی دیر کہاں لگا دی۔ نِیلو بیٹی، تُم مُنّو کو غسل خانے میں لے جاؤ۔ یہ نہا دھو لے تو پھر اِسے کھانا کھلانا۔"

کوٹھی کے اندر قدم رکھتے ہی مُنّو ٹھٹھک کر رہ گیا تھا۔ کمروں کی ہر چیز اتنی صاف ستھری تھی کہ جیسے ابھی ابھی دھوبی کے ہاں سے دُھل کر آئی ہو۔ دیواروں اور چھتوں پر خوب صورت رنگ کیا گیا تھا اور دروازوں پر نفیس پردے لٹک رہے تھے۔ سارے فرش کو ایک قیمتی خاکی قالین نے پوری طرح ڈھانپا ہوا تھا۔ کھانے کے کمرے میں آبنوس کی جگ مگ جگ مگ کرتی الماری پر چمکتے ہوئے پیتل کے کٹورے میں چنبیلی اور گلاب کے پھول اپنی بہار دکھا رہے تھے اور اُن کی خوشبو دماغ کو عجیب فرحت بخش رہی تھی۔ وہ سہما ہوا سا تھا اور ایسا محسوس کر رہا تھا جیسے خواب دیکھ رہا ہو۔

غسل خانہ دیکھ کر تو مُنّو کا مُنہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔ سفید ٹائلوں کا فرش، چمکتی ہوئی ٹونٹیاں، شیشے کے سے صاف ٹب۔ دِل کش پردے۔ اُن دل کش نے مل کر اُس پر جادو سا کر دیا تھا۔ نِیلو نے ٹونٹیاں کھول دیں اور ایک

سفید تولیہ گھوڑی پر ڈال کر خود باہر آ گئی۔

ایک مدّت کے بعد مُنّو کو نہانا نصیب ہو رہا تھا۔ اُس نے اس موقع سے پورا پورا فائدہ اٹھایا اور صابن مل مل کر نہاتا رہا۔

نہا دھو کر وہ باورچی خانے میں گیا جہاں خانساماں نے اس کے آگے گرم گرم کھانا رکھ دیا۔ کھانے کئی طرح کے تھے اور اتنا لذیذ تھا کہ مُنّو نے خواب میں بھی نہ کھایا تھا۔ آخر میں اُس نے حلوا کھایا اور ہاتھ منہ دھو کر باہر نکل آیا۔ برآمدے میں بیگم جعفر کھڑی تھیں۔ وہ مُنّو کو دیکھ کر مُسکرائیں اور بولیں :

"تم صرف سمّی اور نیلو کا کام کرو گے۔ اُن کے کمروں کی صفائی، جوتوں پر پالش اور بس۔ میں تمہارے پڑھنے لکھنے کا بندوبست بھی کر دوں گی تاکہ

جب تم بڑے ہو تو عزّت و آبرو سے روزی کما سکو۔" یہ کہہ کر اُنھوں نے سمّی کو آواز دی اور اس سے کہا۔ "بیٹا سمّی، مُنّو کو اوپر لے جا کر کمرہ دکھا دو۔"

مگر سمّی مُنہ پھُلائے کھڑا رہا۔ اُسے مُنّو کا گھر میں رہنا پسند نہ تھا۔ یہ دیکھ کر بیگم جعفر غصّے سے بولیں:

"سنا نہیں، میں کیا کہہ رہی ہوں۔"

سمّی نے بے دلی سے مُنّو کا ہاتھ پکڑا اور اُسے اپنے کمرے میں لے گیا۔

مُنّو سمّی کے خوب صورت اور ہوادار کمرے کو دیکھ کر دنگ رہ گیا۔ کمرے کی ایک کھڑکی سمندر کی طرف کھلتی تھی جس سے تازہ ہوا کے جھونکے ہر وقت آتے رہتے تھے۔ دیوار کے ساتھ دو صاف سُتھرے پلنگ بچھے

تھے اور اُن کے درمیان میں ایک چھوٹی سی خوب صورت الماری رکھی تھی۔ دروازے سے ذرا ہٹ کر ایک آتش دان تھا اور اُس کے پاس ایک دروازہ تھا جو ایک کمرے میں کھلتا تھا۔ ساگوان کے بنے ہوئے کتابوں کے شیلف پر رنگین کتابیں سجی ہوئی تھیں اور نچلے خانوں میں مختلف کھیلوں کے ڈبّے پڑے تھے۔ کونے کی الماری کا پیٹ ذرا سا کھُلا تھا جس میں سے کِرکٹ بازی کے دستانے اور گیند بلّا دکھائی دے رہا تھا۔ قالین پر بجلی سے چلنے والی ریل گاڑی پڑی تھی۔ اس کے سگنل، پُل، سُرنگیں اور ڈبّے اِدھر اُدھر پڑے تھے، اِن چیزوں کو دیکھ دیکھ کر مُنّو حیران ہو رہا تھا۔

پہلے تو دونوں چُپ چاپ کھڑے رہے۔ پھر سمّی ریل کے پاس بیٹھ گیا اور ایک ننھّا مُنّا لیور دبایا تو گاڑی فرّاٹے بھرنے لگی۔ مُنّو بھی اُس کے قریب بیٹھ گیا۔ اس اِثنا میں سمّی کو کُچھ یاد آیا۔ اس نے ٹرین کا لیور بند کیا اور باہر

چلا گیا۔ اس کے جانے کے مُنّو نے اُسی لیور کو پھر دبایا اور ریل چل پڑی لیکن مُنّو ایک اور ننّھا سا لیور دبانا بھول گیا تھا۔ ریل گاڑی تھوڑی دور تو چلی پھر دوسری لائن پر اور جومال کے ڈبّے اس لائن پر کھڑے تھے جا ٹکرائی جس سے انجن اور ڈبّے اُلٹ گئے۔

عین اُسی وقت سمّی کمرے میں داخل ہوا اور ڈبّوں کو اُلٹا ہوا دیکھ کر آگ بگولا ہو گیا۔ وہ چیخ کر بولا: "دیکھ لیے تُم نے اپنے کرتوت؟ میں کہتا ہوں جب تمھیں اس کے چلانے کا طریقہ نہ آتا تھا تو کیا ضرورت تھی اِسے چلانے کی۔ تُم نے ایسا کھلونا کبھی خواب میں بھی نہ دیکھا ہو گا۔"

"میں نے اِس سے اچھّی اچھّی چیزیں دیکھی ہیں یہ کیا چیز ہے۔" مُنّو نے ٹُنک کر کہا۔

"اچھّا بتاؤ، تُم نے جہازی گھڑی دیکھی ہے کبھی؟" سمّی نے پوچھا۔

"میں نے بہت سی گھڑیاں دیکھی ہیں۔" مُنّو نے جواب دیا۔

"ارے یہ وہ گھڑی نہیں ہے جو لوگوں کے پاس ہوتی ہے۔ یہ تو ایک خاص چیز ہے خاص۔"

"لائیے دِکھائیے، آپ کے پاس ہے وہ گھڑی؟" مُنّو نے کہا۔

"چلو میرے ساتھ۔" سمّی نے کہا۔ "ڈیڈی کے کمرے میں۔"

وہ تاؤ میں آکر چل تو پڑا مگر کپتان صاحب کے کمرے کے سامنے کھڑا ہو کر سوچنے لگا۔ جہازی گھڑی سجاوٹ کی چند دوسری چیزوں کے ساتھ انگیٹھی پر رکھی ہوئی تھی۔ کپتان جعفر اُس کو بے حد عزیز رکھتے تھے۔ اگر اُنہیں معلوم ہو گیا کہ سمّی اُسے کمرے سے باہر لے گیا ہے تو اُس کی خیر نہیں تھی۔

اِس خیال سے سمّی کانپ اٹھا۔ مگر کیا کرتا، اُسے اپنی عزّت کا بھی تو پاس تھا۔ گھڑی نہ دِکھاتا تو وہ مُنّو کی نظروں سے گِر جاتا۔ اُس نے بڑے حوصلے سے کام لیا اور دونوں ہاتھوں سے گھڑی کو اُٹھا کر اپنے کمرے میں لے آیا۔

"یہ ہے وہ گھڑی جو میں تُم کو دِکھانا چاہتا ہوں۔" سمّی نے مُنّو سے کہا۔

"اس گھڑی میں کون سے سُرخاب کے پَر لگے ہیں۔ مُجھے تو ایک عام سی گھڑی دکھائی دیتی ہے۔" مُنّو نے کہا۔ "ہزاروں روپوں کی ہے یہ گھڑی۔ اِسے ذرا غور سے دیکھو۔"

یہ کہہ کر سمّی نے گھڑی کو اُلٹا کر دیا اور اُس کا ڈھکنا کھولنے کی کوشش کرنے لگا۔ وہ دِل میں ڈر رہا تھا کہ کہیں ڈیڈی نہ آ جائیں۔ اُس کے ہاتھ

پاؤں پھولے ہوئے تھے اور دِل دھڑک رہا تھا۔ اُس نے زور لگایا تو ڈھکنا تو کھُل گیا مگر اِس کے ساتھ ہی اُس کا پاؤں بھی پھسل گیا۔ اُس نے سنبھلنے کی لاکھ کوشش کی لیکن بے سُود۔ گھڑی اُس کے ہاتھوں سے چھُوٹ کر فرش پر دھم سے آ رہی۔

اُس کمرے کی چھت کے نیچے کھانے کا کمرہ تھا جس میں کپتان صاحب بیٹھے اخبار پڑھ رہے تھے اور نیلو اُن کے اوپر جھُکی تصویریں دیکھ رہی تھی۔ دھم کی آواز سُن کر جعفر صاحب نے چھت کی طرف نگاہ کی اور نِیلو سے کہنے لگے۔ "یہ کیا ہوا ہے نِیلو؟"

"اللہ ہی جانے، کہیئے تو اوپر جا کر دیکھوں؟"

"فوراً جاؤ اور دیکھو کوئی چیز تو نہیں ٹوٹی؟" یہ کہہ کر جعفر صاحب نے کُچھ سوچا

اور پھر خود بھی نِیلو کے پیچھے پیچھے ہو لیے اور دو دو سیڑھیاں پھلانگتے ہوئے سمّی کے کمرے میں گھُس گئے۔ کمرے میں مُنّوا اکیلا کھڑا تھا۔ اُس کا رنگ اُڑا ہوا تھا اور دِل دھک دھک کر رہا تھا۔ جہازی گھڑی اُس کے پیروں میں فرش پر پڑی تھی اور شیشے کے ٹکڑے اِدھر اُدھر بکھرے ہوئے تھے۔ کپتان صاحب کا منہ غصّے سے لال پیلا ہو رہا تھا۔ اُنہوں نے گھڑی کو فرش پر سے اُٹھا لیا اور بڑے ضبط سے کہا: "یہ کیسے گِر پڑی مُنّو؟"

مُنّو کا کلیجا منہ کو آ رہا تھا۔ اُس نے مُٹھّیاں بھینچ رکھی تھیں تاکہ کانپتے ہوئے ہاتھ دِکھائی نہ دے سکیں۔ اُس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا جواب دے۔ آخر بڑی مُشکل سے اس نے ہکلاتے ہوئے کہا۔ "ص۔۔۔ ص۔۔۔ صاحب، میرے ہاتھوں سے پھسل گئی تھی۔۔۔"

"مگر پھسلی کیسے؟"

"میں اِسے صاف کر رہا تھا۔" یہ کہ کر مُنّو نے کنکھیوں سے اُس کمرے کی طرف دیکھا جس میں سمّی بھاگ کر جا چھُپا تھا۔

کپتان صاحب نے گھٹی ہوئی آواز میں کہا۔ "تُم نے اس چیز کو توڑ ڈالا ہے جس سے بڑھ کر مُجھے اور کوئی چیز عزیز نہیں تھی۔ یہ مُجھے کمپنی نے میری خدمات کے صلے میں دی تھی۔" یہ کہہ کر کپتان صاحب نیچے چلے گئے۔

اگرچہ مُنّو گالیوں، دھمکیوں اور گھونسوں کا عادی تھا مگر کپتان جعفر کا سا تھما تھما غصّہ اور دبے دبے الفاظ اُس کے لیے بالکل نئی چیز تھے۔ اُن کے زہر میں بُجھے ہوئے بول اُس کے کلیجے کو چھلنی کر گئے تھے۔

نیچے بیگم جعفر پھول دان میں پھول سجا رہی تھیں کہ کپتان صاحب نے کھٹ سے جہازی گھڑی اُن کے سامنے رکھ دی۔

"یہ کس نے توڑی ہے؟ جلدی بتائیے؟" بیگم نے پوچھا۔

"یہ مُنّو صاحب کا کارنامہ ہے۔" کپتان صاحب بولے۔

"ہائے بے چارہ مُنّو، یہ اُس کا قصور نہیں۔ اُس کی تربیت کا قصور ہے۔" بیگم بولیں۔

"لیکن جب تک یہ سُدھرے گا تب تک تو ہمارا لاکھوں کا نقصان ہو جائے گا۔ میں کہتا ہوں اِسے واپس کلّن کے پاس بھیج دیجیے۔"

"آپ ٹھیک کہتے ہیں۔ لیکن میرا دل کہہ رہا ہے کہ مُنّو بے قصور ہے۔ ٹھہریے ابھی پتا چل جائے گا۔ نِیلو یہاں آنا ذرا۔"

"جی آئی امّی۔" اور چھپاک سے نِیلو آگئی۔

"جاؤ بیٹا اوپر اور معلوم کرو کہ ڈیڈی کی جہازی گھڑی کس نے توڑی ہے؟"

نِیلو گولی کی طرح اُڑی اور سمّی کے کمرے میں پہنچ گئی۔ سمّی کھڑکی سے سر باہر نکالے کسی چیز کو تکے جا رہا تھا۔ اُسے نِیلو کے آنے کی خبر نہ ہوئی۔ نِیلو سیدھی مُنّو کے پاس گئی جو سر جھکائے فرش پر بیٹھا تھا۔ وہ اُسے دیکھ کر اُٹھ کھڑا ہوا۔

"یہ تُم نے کیا غضب کیا کہ ڈیڈی کی جہازی گھڑی توڑ ڈالی۔ وہ کہہ رہے ہیں کہ اب مُنّو اِس گھر میں نہیں رہے گا۔"

"میں بھی اِس گھر میں رہنا نہیں چاہتا۔ میں تو خود بھاگ جانے کی سوچ رہا ہوں۔"

"مگر تُم نے گھڑی توڑی کیوں؟ میں تو یہ پوچھ رہی ہوں۔"

مُنّو چُپ سادھے رہا۔ جب نِیلو نے دیکھا کہ وہ جواب دینے کے لیے تیّار نہیں ہے تو وہ سمّی کی طرف پلٹ کر بولی :

"تمہیں تو معلوم تھا کہ یہ گھڑی ڈیڈی کو کتنی عزیز ہے ۔ تُم نے کیوں نہ مُنّو کو باز رکھا ۔"

سمّی کا چہرہ شرم سے سُرخ ہو رہا تھا ۔ آخر کُچھ وقفے کے بعد وہ بول اُٹھا ۔ "گھڑی تو ڈیڈی کے کمرے سے میں لایا تھا، مُنّو نہیں۔ ہم دونوں اِسے دیکھ رہے تھے کہ وہ اچانک فرش پر گِر کر ٹوٹ گئی ۔"

"اگر یہی بات تم ڈیڈی سے کہہ دیتے تو اچھّا ہوتا ۔"

"تم میرے ساتھ چلو۔ میں یہی بات ڈیڈی کے سامنے کہہ دوں گا۔" دونوں بھائی بہن کپتان صاحب کے پاس پہنچے ۔ سمّی سر جھکا کر بولا۔ "قصور

میرا ہے مُنّو کا نہیں۔"

"ارے۔" کپتان صاحب حیرت سے بول اُٹھے۔

"جی۔" سمّی نے آہستہ سے کہا۔ "میں اِس کا ڈھکنا کھولنے کے لیے زور لگا رہا تھا کہ وہ چھوٹ کر فرش پر گری اور ٹوٹ گئی۔"

"لیکن جب میں تمہارے کمرے میں پہنچا تو اُس وقت تم کہاں تھے؟"

"میں ڈر کے مارے دوسرے کمرے میں چھُپ گیا تھا۔۔۔"

"غلَطیاں تو ہوتی ہی رہتی ہیں مگر اُن کو ماننا اور سچ بات کہہ دینا بھلے مانسوں کا پیشہ ہے۔ مجُھے افسوس ہے کہ مُنّو ناحق شک کا نشانہ بنا۔ اب تم اوپر جاؤ اور مُنّو کو کہنا کہ ڈیڈی کو افسوس ہے کہ اُنھوں نے تمھیں سخت سُست کہا۔"

یہ کہہ کر وہ باہر جانے کو تھے کہ ٹیلی فون کی گھنٹی بجی۔ اُنھوں نے ٹیلی فون کا چونگا اُٹھایا۔ "جی میں ہوں کپتان جعفر۔ فرمائیے؟ نہیں صاحب! مُنّو تو بہت شریف اور نیک بچّہ ہے۔ وہ ہمارے ہاں ہے۔ ہیروں کی چوری کے سِلسلے میں اُس کا نام لینا بہت بڑا ظُلم ہو گا اور رہا اُس کا ماموں تو صاحب وہ برسوں سے میرے ماتحت کام کر رہا ہے۔ بہت ایمان دار آدمی ہے۔ آپ ہی فرمائے ایسے انسان کا چوری ایسے گھناؤنے فعل سے کیا تعلّق ہو سکتا ہے۔ کوئی اور خدمت؟ اچھّا خُدا حافظ۔" یہ کہہ کر اُنھوں نے ٹیلی فون بند کر دیا۔

بیگم جعفر اور نِیلو توجّہ سے کپتان صاحب کی گفتگو سُن رہی تھیں۔ جب کپتان صاحب نے دیکھا کہ اُن کی بیوی تفصیل میں جانے کے لیے بے چین ہیں تو اُنھوں نے نِیلو سے کہا۔ "جاؤ بیٹا، اوپر جا کر کھیلو۔"

نِیلو کے جانے کے بعد کپتان صاحب نے سارا قصّہ دہراتے ہوئے کہا۔

"یہ ٹیلی فون سُراغ رساں انسپکٹر رضا نے کیا تھا۔ اُنہیں نوّاب نگر کی پولیس نے اطّلاع دی تھی کہ جب سے ہیرے غائب ہوئے ہیں۔ مُنّو نامی ایک لڑکا بھی غائب ہے۔ مُمکن ہے اُن ہیروں کی چوری میں اُس کا ہاتھ ہو۔ سُنا ہے وہ کراچی میں ہے اور اپنے ماموں کلّن کے پاس رہتا ہے۔ اب خُدا ہی جانتا ہے کہ یہ اونٹ کس کروٹ بیٹھے۔ اچھّا میں چلا۔ پہلے ہی بہت دیر ہو گئی ہے۔ خُدا حافظ۔"

"خُدا حافظ۔" بیگم نے کہا۔

نِیلو کمرے میں پہنچی تو یہ دیکھ کر حیران رہ گئی کہ سمّی اور مُنّو گھی کھچڑی ہو گئے ہیں۔ اُسے یہ اُمّید نہیں تھی کہ وہ اِس قدر گھُل مِل جائیں گے۔ سمّی مُنّو کو اپنے کھلونے دِکھا رہا تھا۔ اُسے ٹکٹ بازی کا بڑا شوق تھا۔ مُنّو کو دستانے

پہنا کر بتانے لگا کہ اگر یُوں وار کیا جائے تو اُسے کس طرح رو کتے ہیں اور اِس طرح کیا جائے تو کس طرح پہلو بچاتے ہیں۔ یہ کہہ کر وہ بولا۔ "اب تُم مُجھ پر وار کرو۔ میں روکتا ہوں۔" مُنّو نے آؤ دیکھا نہ تاؤ، کھٹ سے ایک مُکّا سمّی کی ناک پر جڑ دیا۔ اُسے درد تو ہوا مگر ضبط سے کام لے کر کہنے لگا۔ "ارے بھئی یُوں نہیں۔ یُوں، لو کرو وار۔"

مُنّو نے چھوٹتے ہی ایک اور مُکّا اُس کے کلّے پر رسید کر دیا۔ یہ دیکھ کر نِیلو کھل کھلا کر ہنس پڑی۔ درد سے سمّی کی آنکھوں میں آنسو آ گئے تھے۔ پھر بھی وہ بھنّایا نہیں۔ کہنے لگا: "اچھا بھئی اب کھیل ختم۔ پھر کبھی سہی۔"

نِیلو ہنسی روک کر بولی: "یہ لڑائی بند کرو اور میری بات سُنو۔ ابھی ڈیڈی کا ٹیلی فون آیا تھا۔ وہ ٹیلی فون کرنے والے سے کہہ رہے تھے کہ مُنّو بہت اچھا بچّہ ہے۔ باتوں باتوں میں ماموں کلّن کا نام بھی آیا تھا۔"

مُنّو گھبرا سا گیا۔ "کیا پوچھ رہا تھا وہ؟"

"یہ میں کیا جانوں وہ کیا پوچھ رہا تھا البتّہ ڈیڈی کہہ رہے تھے کہ وہ بہت ایمان دار آدمی ہے اور ساتھ ہی کُچھ ہیروں کا بھی ذکر تھا۔"

ہیروں کا ذکر سُن کر مُنّو ڈر گیا۔

"ارے مُنّو۔" نِیلو کہنے لگی۔ "تمہارے چہرے پر تو ہوائیاں اُڑ رہی ہیں۔ کیا ہوا؟" مُنّو نے سوچا جس بات کو راز سمجھ کر میں نے سینے سے لگایا ہوا تھا، اب وہ ظاہر ہو گئی ہے۔ مگر خیر، اب سب سے پہلے مُجھے اُن کی حیرانی کو دُور کرنا چاہیے۔ یہ سوچ کر کہنے لگا:

"ماموں کلّن کے پاس چند ہیرے ہیں اور یہ تو بات میرے سوا کسی اور کو معلوم نہیں۔ میں سمجھا نہ جانے کون چور اُچکّا تھا جو ہیروں کی بابت پوچھ رہا

تھا، اِس لیے ذرا ڈر سا گیا تھا۔"

سمّی نے تعجّب سے کہا۔ "تمھارے ماموں کے پاس سچ مُچ کے ہیرے ہیں کیا؟"

اچانک مُنّو کو احساس ہوا کہ اُس نے یہ بات کہہ کر بہت بڑی غَلطی کی ہے۔ وہ بات بنا کر بولا۔ "ارے اللہ اللہ کیجیے۔ ماموں کلّن اور ہیرے۔ میں تو یونہی کہہ رہا تھا۔"

"ابھی تم خود ہی تو کہہ رہے تھے۔"

"چلو یوں ہی سہی۔" نِیلو نے کہا۔ "تو پھر تم ڈر کیوں گئے تھے؟"

مُنّو جھینپ گیا۔ سمّی سے اُس کی پریشانی نہ دیکھی گئی۔ وہ جھٹ اس کے آڑے آیا اور کہنے لگا: "چلو چھوڑو اس قصّے کو، چلو باغ میں چلیں۔"

مُنّو دِل میں سوچ رہا تھا کہ اگر یہ ہیروں والی بات کسی تیسرے کو بھی معلوم ہو گئی تو خُدا جانے کون سی مُصیبت آ پڑے۔ مگر جو کچھ ِنیلو نے کہا ہے اُس سے یہی پتا چلتا ہے کہ راز کھُل گیا ہے۔ خیر، اب میں ماموں کلّن کو بھی جا کر بتائے دیتا ہوں تاکہ وہ اپنا بچاؤ کر لیں۔

اتنے میں دونوں بہن بھائی چلّا کر کہنے لگے۔ "لو بھی، ہو گیا فیصلہ۔ باغ میں چلیں گے سب۔"

"میرا دِل ماموں کلّن سے ملنے کو چاہ رہا ہے۔ پتا نہیں وہ جہاز پر ہوں گے بھی یا نہیں؟" مُنّو نے کہا۔

"میرا خیال ہے کہ وہ ملّاحوں کے ہاسٹل میں ہوں گے۔" سمّی بولا۔ "اور اگر ہم بھی تمہارے ساتھ چلیں تو کیسا رہے۔"

”نہیں میاں، آج مُجھے اکیلا ہی جانے دیجیے۔ پھر کبھی اکٹھے چلیں گے۔“

’ٹھیک ہے۔ تُم شوق سے جاؤ مگر چائے کے وقت سے پہلے پہلے لوٹ آنا۔ ہم تمہارا انتظار کر رہے ہوں گے۔“ نِیلو نے کہا۔

جان بچی۔۔۔

مُنّو جو وہاں سے ہوا ہُوا تو بازار میں آ کر دم لیا۔ بے شمار مرد اور عورتیں ہاتھوں میں تھیلے لیے اِدھر اُدھر آ جا رہے تھے اور سڑک کے دونوں طرف اُوٹ پٹانگ قسم کی چیزوں کی بھرمار تھی اور دُکاندار ہانکیں لگا لگا کر کانوں کے پردے پھاڑ رہے تھے۔

مُنّو کا دِل تو بہت چاہا کہ وہ دُکانداروں کی لچھّے دار باتوں کا لُطف اُٹھائے مگر وقت کم تھا۔ اس لیے وہ آگے چلتا گیا۔ ابھی اس نے آدھا فرلانگ طے

کیا ہو گا کہ سامنے ایک سڑک دکھائی دی جس کے نکّڑ پر بورڈ لگا ہوا تھا:

"پرانی گلی۔" وہ اِس سڑک پر ہولیا۔ جدھر نگاہ اُٹھتی تھی بڑی بڑی عمارتیں نظر آتی تھیں۔ ان میں مختلف کارخانوں اور فرموں کے گودام تھے۔ اتنے میں پاس والی ایک گلی میں سے اسباب سے لدا ہوا ایک چھکڑا آیا اور مُنّو کے پاس سے گزر گیا۔ مُنّو نے چھکڑے والے کو آواز دی۔ "بھائی، ذرا سنیو۔" وہ ٹھہر گیا اور پوچھنے پر اُس نے کہا۔ "جس قدر فاصلہ طے کر آئے ہو اُس سے تھوڑا سا زیادہ اور طے کر لو۔ دائیں طرف والی آخری عمارت ملّاحوں کا ہاسٹل ہے۔"

جب مُنّو وہاں پہنچا تو کیا دیکھتا ہے کہ اگلے وقتوں کی بوسیدہ سی عمارت ہے۔ سامنے لوہے کا جنگلے دار دروازہ تھا۔ وہ چند سیکنڈ میں دروازے پر پہنچ گیا اور ڈیوڑھی میں داخل ہو کر بائیں طرف جو نگاہ کی تو ایک ستون پر لکھا

ہوا تھا : "ملّاحوں کا ہاسٹل ۔" اور اُسی عبارت کے نیچے تیر کا نشان بنا ہوا
تھا۔ مُنّو اُس طرف بڑھا تو اُسے سیڑھیاں نظر آئیں۔ وہ جی کڑا کر کے
سیڑھیاں چڑھنے لگا لیکن ابھی آدھا راستا بھی طے نہ ہوا تھا کہ اُسے ایک
ہولناک خیال آیا۔ اگر ماموں کے ساتھ وُدّو اور بُندُو بھی ہوئے تو کیا ہو گا؟
وہ ڈر کے مارے لوٹنے کو تھا کہ پھر سنبھل گیا "وہ ہوں گے تو ہوا کریں،
ماموں کلّن بھی ہوں گے۔" یہ سوچ کر اُس کی ڈھارس بندھ گئی۔ وہ
اطمینان سے عمارت کے اندر داخل ہو گیا اور آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر ماموں
کلّن کو تلاش کرنا شروع کر دیا۔ وہ اِدھر اُدھر دیکھ ہی رہا تھا کہ ایک دم اُس
کا دل دھک سے رہ گیا۔ کوئی چیز اُس کی ٹانگوں کو چھو رہی تھی۔

اتنے میں اسے ایک ایسی آواز سُنائی دی جو اِس کی جانی پہچانی تھی اور وہ
کِھل کھلا کر ہنس پڑا۔ یہ ایک بلّی تھی۔ مُنّو نے "ہت تیرے کی" کہہ کر اُسے

گود میں اُٹھا لیا اور تھپک کر پھر فرش پر رکھ دیا۔ ایسے میں اُسے بلّی کی محبّت بھی بڑی غنیمت معلوم ہوئی۔ جب وہ تھوڑا سا آگے بڑھا تو ایک بند کھڑکی نظر آئی جو ایک کمرے میں کھُلتی تھی۔ اُس نے کھڑکی کی درزوں میں سے جھانکا تو دیکھا کہ ایک لمبی سی میز پر کھانے کے برتن پڑے ہیں۔ میز کے پاس ہی ایک کرسی پر صدری لٹکی ہوئی تھی۔ مُنّو نے غور سے دیکھا تو وہ اُس کے ماموں کی صدری تھی۔ وہ مارے خوشی کے ناچ اُٹھا۔ اُس نے دِل میں کہا۔ "اگر ماموں کلّن کی صدری یہاں ہے تو وہ بھی یہیں کہیں ہوں گے اور اُن کے ہوتے ہوئے مُجھے بُندُو اور وُدّو کی کیا پروا ہے۔" اِس خیال نے اُس کے دِل میں ڈھیروں جرأت بھر دی اور وہ کمرے کے دروازے کا پٹ کھول کر اندر گیا۔ اُس کے پیچھے پیچھے بلّی بھی اندر آ گئی تھی۔ ویسے تو اُس کا اِرادہ تھا کہ زور زور سے پُکارے "ماموں کلّن" مگر پھر

رُک گیا۔ سارا کمرہ خالی تھا اور تمباکو کے دھوئیں کی بُو سے اُس کا دماغ پھٹا جاتا تھا۔ چاروں طرف خاموشی چھائی ہوئی تھی کہ اچانک ایک دبی دبی سی آواز سے اُس کے کان کھڑے ہو گئے۔ آواز سامنے سے آرہی تھی۔ وہ میز کا چکّر کاٹ کر سامنے والے کمرے داخل ہو گیا اور اُس میں سے ہوتا ہوا ایک اور کمرے میں جا گھُسا لیکن اتنی احتیاط ضرور کی کہ دروازہ کھُلا رہنے دیا۔ بلّی پہلے تو اِدھر اُدھر سونگھتی رہی پھر اُس پیچھے پیچھے ہو لی۔ یہاں آکر آواز کا معمّا صاف حل ہو گیا۔ کوئی شخص خرّاٹے لے رہا تھا۔

کمرے کی بائیں دیوار میں ایک تختہ لگا تھا جس پر کوئی آدمی کمبل تان کر سو رہا تھا۔ اُس نے سمجھا کہ یہ ماموں کلّن ہیں۔ وہ چُپکے چُپکے تختے کے پاس آ گیا اور سوئے ہوئے آدمی کو جھنجھوڑنے ہی والا تھا کہ ٹھٹھک کر رہ گیا اور ایک دم پیچھے ہٹا مگر ایک مضبوط ہاتھ نے اُس کی گردن کو آ دبوچا اور

دوسرے نے شکنجے کی طرح اُس کے منہ کو جکڑ لیا۔ اُس نے خلاصی کے لیے بہتیرے ہاتھ پاؤں مارے مگر بے کار۔ وہ تو لوہے کے جال میں پھنسا ہوا تھا۔

"ارے وُدّو آنکھیں تو کھول۔ دیکھ کیا مزے دار شکار ہاتھ آیا ہے۔ کلّن کا بھانجا ہے۔" بُندُو نے زور سے ہنستے ہوئے کہا۔

مگر وُدّو کے جواب سے مُنّو ہی نہیں بُندُو بھی حیران رہ گیا۔ "چھوڑ دو اِسے۔"

وُدّو نے کہا اور فوراً تختے سے اُتر آیا۔ "تم یہاں کہاں آ گئے چھوکرے؟" اُس نے مُنّو کو ایسے لہجے میں مخاطب کر کے کہا جس سے ہمدردی ٹپک رہی تھی۔

"مُجھے ماموں کلّن سے ملنا ہے۔"

مُنّو کے اِس جواب پر بُندُو بے اختیار ہنس دیا: لو اور سُنو، ماموں کلّن سے ملنا چاہتا ہے اور ماموں کلّن اپنے کام میں پھنسا ہوا ہے۔ کیوں وُدّو ٹھیک ہی تو کہہ رہا ہوں میں۔"

"ارے بند کرو بکواس اپنی۔" یہ کہہ کر وُدّو نے بُندُو کا ہاتھ پکڑا اور دونوں کمرے سے باہر نکل گئے۔ اُنھوں نے باہر سے دروازے میں تالا ڈال دیا تھا۔

مُنّو تو دِل میں کہہ رہا تھا۔ مُجھ سے بڑھ کر بھی کوئی بے وقوف نہیں ہو گا۔ اتنا نہ سوچا کہ ماموں صدری کے بغیر بھی تو کام پر جا سکتے ہیں۔ وہ یہ سوچ ہی رہا تھا کہ اُسے یُوں محسوس ہوا جیسے کوئی کانا پھُوسی کر رہا ہے۔ دروازے سے

کان لگا کر سُنا تو بُندُو کہہ رہا تھا۔ "ذرا جرأت سے کام لو اور پھر یاروں کا کام دیکھو۔ مُرشد کی قسم ایسا غائب کروں اس بچو نگڑے کو کہ نشان بھی مل جائے تو بُندُو نام نہیں۔"

"لیکن تُم یہ بھُول گئے کہ وہ کپتان کے گھر رہتا ہے۔ اگر اُس کو ذرا بھی نقصان پہنچا تو وہ ہم سب کو کولہو میں پِلوا دے گا۔ ذرا ٹھنڈے دِل سے غور کرنے دو مُجھے۔" وُدّو کہہ رہا تھا۔

اِس کے بعد خاموشی چھا گئی اور پھر مُنّو نے تالا کھولنے کی آواز سُنی۔ وہ چُپ چاپ تختے پر آ کر بیٹھ گیا۔ دروازہ کھُلا تو پہلے وُدّو اندر آیا اور مُنّو کے پاس بیٹھتے ہوئے کہنے لگا: "تم تو ماؤں کلّن سے ملنے آئے ہو مگر مُصیبت یہ ہے کہ آج کل کام بہت زیادہ ہے اور وہ بہت دیر سے آیا کرتے ہیں۔ اگر تُم مناسب سمجھو تو جو کُچھ اُن سے کہنا ہے مُجھے بتا دو۔ میں اُن سے کہہ

دوں گا۔" مُنّو پہلے تو کُچھ جھجکا، پھر اُس نے وہ سب کُچھ بتا دیا جو نیلو سے سُنا تھا۔ "کون جانے ٹیلیفون کرنے والا پولیس کا آدمی تھا یا کوئی اور۔ بہر حال جو بھی ہے تمہاری امداد کے بغیر وہ ناکام رہے گا۔" وُدّو نے کہا۔

"میری امداد کی بھی ایک ہی کہی۔ میں بھلا کسی کی کیا اِمداد کر سکتا ہوں۔" مُنّو نے کہا۔

"میرے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ جب تک تُم اُنہیں نہیں بتاؤ گے وہ کامیاب نہیں ہوں گے اور کیا پتا تُم نے کپتان صاحب سے کُچھ کہہ ہی دیا ہو۔"

"توبہ کرو۔ کیا مُجھے معلوم نہیں کہ ہیروں والی بات کی بھنک بھی کسی کے کان میں پڑ گئی تو ماموں کلّن کی شامت آ جائے گی۔ میں نے اب تک کسی

سے ایک لفظ بھی نہیں کہا ہے۔"

اب تک وُدّو مُنّو کو یوں تک رہا تھا جیسے اُس پر اسے شک ہو لیکن جس لہجے میں اُس نے مُنّو کو شاباش دی اُس سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ بالکل مطمئن ہوگیا ہے۔ وہ کہنے لگا: "شاباش بیٹے، تُم تو بہت سمجھ دار نکلے۔"

مُنّو نے اُسے مہربان پایا تو جھٹ بول اُٹھا: "تو کیا اب میں چلا جاؤں؟"

وُدّو کے چہرے پر عیّاری کھیل رہی تھی۔ اُس نے ذرا کی ذرا سوچا اور پھر کہنے لگا۔ "نہیں میاں۔ ابھی نہیں بُندُو نہیں مانے گا۔ جب میں اُسے راضی کرلوں گا تو خود آکر تمہیں چلتا کرلوں گا۔" پھر وہ جاتے جاتے مُڑ کر بولا: "دیکھو، چُپ چاپ بیٹھے رہنا۔ شور مچایا تو سمجھو خیر نہیں۔"

جب وُدّو نے دروازہ بند کرکے تالا ڈالا تو مُنّو کا دِل بیٹھ سا گیا۔ چند منٹ بعد

اُس کو یُوں معلوم ہوا جیسے وہ دونوں پھر باتیں کر رہے ہیں۔ اُس نے پھر دروازے کے ساتھ کان لگا دیا۔ بُندُو کہہ رہا تھا: "مُرشد کی قسم ایسا سنہری موقع پھر ہاتھ نہ آئے گا۔ میں اسے ایسا غائب کروں گا کہ۔۔۔"

"مگر ذرا رات تو گزرنے دو۔"

"ہاں۔ یہ بات ٹھیک کہی تُم نے۔"

اب مُنّو سمجھا کہ وُدّو کی چکنی چپڑی باتیں نِری دھوکا تھیں۔ وہ اِس بہانے اُس سے معلومات حاصل کرنا چاہتا تھا۔ پہلے تو اُس نے سوچا کہ شور مچا دوں۔ پھر خیال آیا کہ اِس سے کُچھ فائدہ نہ ہو گا۔ آس پاس کوئی ایسا آدمی نہیں ہے جو اُس کی آواز سُنتے ہی مدد کو پہنچ جائے، اِس لیے اب تو جو کُچھ کرنا ہے، مُجھے ہی کرنا ہے۔

اُسے معلوم تھا کہ دروازہ باہر سے بند ہے۔ پھر بھی اُس نے اُسے زور زور ہلایا کہ شاید وُدّو نے اُسے یونہی بھیڑ رکھا ہو۔ جب دروازے نے ہلنے کا نام نہ لیا تو وہ کھڑکی کو دیکھنے لگا۔ اُس میں لوہے کی موٹی موٹی سلاخیں لگی ہوئی تھیں۔ اُن کو توڑنا محال تھا۔

یہاں سے مایوس ہو کر اُس نے چھت اور دیواروں پر نظر دوڑائی کہ شاید کہیں نجات کا راستہ مل جائے۔ یہاں بھی مایوسی ہوئی۔ ہاں ایک دیوار میں کیل ٹھنکی تھی جس پر دو پرانی مشکیں ٹنگی ہوئی تھیں۔ اچانک اُس کے دِل میں اُمّید کی ایک کرن نے اجالا سا کر دیا۔ اُس نے سوچا سمّی اور نِیلو کو یہ تو معلوم ہے کہ میں ملّاحوں کے ہاسٹل گیا ہوں۔ اگر مُجھے گھر جانے میں دیر ہوئی تو وہ میری تلاش میں یہاں ضرور آئیں گے۔ لیکن۔۔۔ لیکن اگر وہ آ بھی گئے تو اُنہیں کیسے معلوم ہو گا کہ میں یہاں قید ہوں۔ اور پھر یہ بھی تو

مُمکن ہے کہ یہ دونوں اُچکّے اُن سے کہہ دیں کہ مُنّو چلا گیا ہے ۔ اِس خیال کے آتے ہی اُمّید کی وہ کرن بھی غائب ہو گئی اور اُسے اپنے سر پر موت منڈلاتی نظر آنے لگی ۔

اتنے میں بلّی تختے کے نیچے سے نکل آئی اور اُس کے پیروں سے لپٹ کر خُر خُر کرنے لگی ۔ اُس نے بلّی کو گود میں لے کر پیار کرنا شروع کر دیا مگر وہ بھی کُچھ اُکتائی ہوئی سی تھی ۔ اُس نے پیٹھ کو کُبڑا کیا اور ایک ہی جست میں فرش پر آ رہی ۔ اس کی حرکتوں سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ کسی شے کو ڈھونڈ رہی ہے ۔ اُس نے مُنّو کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالیں جیسے اُسے سمجھانا چاہتی ہے اور جب اُس کی بات کو نہ سمجھ سکا تو اُس نے تڑپ کر زور کی میاؤں کی اور دُم کو اونچا کر کے اِدھر اُدھر ہلانے لگی ۔ پھر وہ دروازے کے پاس گئی اور اُس پر پنجے مار مار کر مُنّو کو تکنے لگی ۔ مگر جب دیکھا کہ مُنّو

اُس کی بات نہیں سمجھ رہا تو تھک ہار کر بیٹھ گئی اور اپنے سینے اور پنجوں کو چاٹ چاٹ کر صاف کرنے لگی اور پھر ایک دم اُٹھ کھڑی ہوئی جیسے کُچھ بھولا ہوا یاد آ گیا ہو اور سامنے کی دیوار کی مشکوں کو سُونگھنا شروع کر دیا۔ مُنّو اُسے غور سے دیکھ رہا تھا۔ اُسے خیال ہوا کہ شاید کوئی چوہا مشکوں میں گھُسا ہوا ہے اور بلّی اس پر جھپٹنے کے لیے بے تاب ہے۔ اُس نے اُٹھ کر مشکوں کو پرے کیا تو اُس کا دِل خوشی سے بلّیوں اُچھل پڑا۔

مُنّو کو بلّیوں سے بہت پیار تھا اور وہ اُن کی عادتوں سے خاصا واقف ہو گیا تھا۔ وہ اچھّی طرح جانتا تھا کہ اگر اُن کی آزادی خطرے میں پڑ جائے تو وہ بھاگ نکلنے کے لیے کوئی نہ کوئی راہ نکال لیتی ہیں۔ معلوم ہوتا تھا کہ یہ بلّی اِس علاقے کی پرانی رہنے والی تھی اور یہاں کے ہر ایک کونے کھُدرے سے آشنا تھی۔ جب اُس نے دیکھا کہ باہر جانے کے لیے سب راہیں بند

ہیں تو ایک دم اُسے اپنی پرانی راہ یاد آ گئی جسے وہ پہلے استعمال کرتی رہی ہو گی۔ دیوار میں ایک بڑا سا سوراخ تھا جسے مشکوں سے ڈھانپ دیا گیا تھا۔ یہ خُفیہ راستہ بُندُو اور وُدّو نے بنایا ہو گا تا کہ خطرے کے وقت وہ باہر نکل سکیں۔ جوں ہی مُنّو نے مشکوں کو سوراخ پر سے ہٹایا بلّی نے ایک زور کی چھلانگ لگائی اور سوراخ میں سے نکل کر غائب ہو گئی۔ یہ دیکھ کر مُنّو نے بھی ہمّت کی اور ایک ہی جست میں سُوراخ کے راستے باہر نکل گیا۔ اب وہ باہر صحن میں کھڑا تھا۔ اُس نے جلدی جلدی اِدھر اُدھر دیکھا اور پھر دروازے کی طرف بڑھا۔ اچانک اُسے ساتھ والے ایک کمرے میں سے بُندُو کی آواز آئی:

"ذرا دیکھنا، دودھ گِرنے نہ پائے۔ میں ابھی آیا اُس کلّن کے بھانجے کو دیکھ کر۔"

یہ سُننا تھا کہ مُنّو سر پر پاؤں رکھ کر بھاگا۔ خُدا ہی جانتا ہے کہ وہ کِن بھُول بھلیّوں میں سے نکل کر وہ اُڑتا چلا جارہا تھا۔

جب وہ بھاگ جاگ کر تھکن سے چکنا چور ہو گیا تو دم لینے کو ٹھہر گیا۔ اُس وقت اُسے یہ جان کر خوشی ہوئی کہ جس سڑک پر چل رہا تھا وہ کپتان صاحب کے بنگلے کو جاتی ہے۔ اُس نے اپنے کپڑے درست کیے اور اب دھیرے دھیرے قدم اٹھانے شروع کر دیے۔ وہ سوچ میں ڈوبا ہوا تھا کہ اللہ جانے گھر سے نکلے ہوئے کتنا وقت بیت گیا ہے۔ اگر بیگم صاحبہ یا کپتان صاحب نے پوچھا کہ اتنا عرصہ کہاں رہے تو کیا جواب دوں گا؟ ان جیسے شریف لوگوں سے جھوٹ بولنا انتہا درجے کا کمینہ پن ہے۔ مگر اِس کے سوا کوئی چارہ بھی نہیں۔ اگر اُنھوں نے پوچھا تو کہہ دُوں گا کلّن ماموں سے ملنے گیا تھا مگر وہ نہ جانے کہاں گئے ہوئے تھے۔ ملاقات نہ ہو سکی۔

واپسی میں راستا بھول گیا۔ وہ اِسی طرح دِل سے باتیں کرتا ہوا کپتان صاحب کے بنگلے تک پہنچ گیا۔ دروازہ بند تھا۔ اُس نے آہستہ سے دستک دی تو ملازم نے دروازہ کھول دیا اور زور سے بولا۔ "بیگم صاحبہ مُنّو آگیا۔"

مُنّو برآمدے میں پہنچا تو بیگم صاحبہ کمرے میں سے نکل آئیں اور بولیں: "بھئی بہت انتظار کرایا تُم نے۔ جاؤ جا کر کھانا کھاؤ اور پھر سو جاؤ۔"

مُنّو حیران تھا کہ بیگم صاحبہ نے دیر سے آنے کا سبب کیوں نہیں پوچھا۔ پھر خود ہی دِل کو تسلّی دے لی کہ شاید سمّی اور نِیلو نے کہہ دیا ہو گا کہ وہ ماموں کلّن سے ملنے گیا ہوا ہے اور دیر سے لوٹے گا۔ کھانا کھا کر وہ سمّی اور نِیلو کے پاس گیا تو اُنھوں نے اُسے آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھا۔ وہ دونوں پڑھنے میں مصروف تھے۔ مُنّو کو یہ سوچ کر خوشی ہوئی کہ اُسے نہ سچ کہنے کی ضرورت پڑی نہ جھوٹ بولنے کی۔ اب سونے کا وقت ہو رہا تھا۔ اُس

نے زور سے سمّی اور نیلو کو سلام کیا اور پھر اپنے کمرے میں جا کر بستر پر دراز ہو گیا۔

پکڑو پکڑو

ساری رات جہاز سے اسباب اترتا رہا اور صُبح کے وقت شب کا شور غُل ٹھنڈا پڑ گیا۔ رات کے تھکے ہارے لوگ باگ اپنے اپنے ٹھکانوں پر جا کر سو گئے مگر ایک وُدّو اور بُنڈُو ایسے تھے جو ابھی تک جاگ رہے تھے۔ نیند اُن کی آنکھوں سے کوسوں دُور تھی یہ دونوں رات بھر اسباب کو اُترتا دیکھتے رہے اور سوچتے رہے کہ ہیروں والے کریٹ تک کیسے پہنچیں۔

قُلیوں کا ہجوم اُس بلا کا تھا کہ اُنہیں کریٹ تک جانے کا موقع ہی نہ مل سکا

اور اُن کی ناکامی کی دوسری وجہ پولیس تھی۔ جو رات بھر پُوری طرح چوکس رہی تھی۔

وُدّو بڑا عیّار آدمی تھا۔ وہ ہیروں کو ہتھیانا چاہتا تھا، اور اِس مقصد کو حاصل کرنے کے لیے سر دھڑ کی بازی لگائے ہوئے تھا۔ وہ پولیس کی نظروں سے دور رہ کر، چوری چوری اس بات کی ٹوہ میں تھا کہ کریٹ کہاں رکھا جاتا ہے اور یہ اس نے دیکھ لیا۔ کریٹ گودام کے بیچ میں پڑا تھا اور اس کے دائیں بائیں اسباب کے منوں ڈھیر لگے ہوئے تھے۔ اُس نے یہ دیکھ کر سُکھ کا سانس لیا کہ کریٹ کو باہر نکالنا بہت دشوار ہے۔ سب سے پہلے آس پاس کا اسباب ہٹائیں گے تو پھر کریٹ کی باری آئے گی اور اِس کام کے لیے کم سے کم چار پانچ روز درکار ہوں گے اور انہی دِنوں میں وہ کوئی نہ کوئی تدبیر سوچ لے گا۔

اِس بات کا تو اُسے اطمینان ہو گیا تھا مگر مُنّو کے بچ نکلنے کی فکر اُسے کھائے جا رہی تھی۔ وہ دِل میں کہہ رہا تھا "خُدا جانے وہ کیا کہہ بیٹھے اور اُس کی باتیں ہمیں تباہی کے کس غار میں دھکیل دیں۔ یہ بات اُسے اچھّی طرح معلوم ہو گئی ہے کہ ہم اُس کی جان کے لاگو ہیں۔ اِس لیے وہ ہمیں برباد کرنے میں کوئی کسر نہ اُٹھا رکھے گا۔ میں کہتا ہوں اگر اس لڑکے کو ختم نہ کیا گیا تو یہ دھڑکا ہمیشہ دِل کے ساتھ لگا رہے گا۔ پھر اُس نے بُندُو کے کہنی ماری اور اُس کو لے کر ایک طرف کو چلا گیا۔ بُندُو کی حالت دیکھنے کے قابل تھی۔ اُسے جماہی پر جماہی آ رہی تھی اور وہ چل نہیں رہا تھا بلکہ اپنے آپ کو گھسیٹ رہا تھا۔

جب جُمّن اور کلّن کوارٹر میں پہنچے تو اُنہیں بستر دیکھتے ہی یقین ہو گیا کہ بُندُو اور وُدّو رات بھر باہر رہے ہیں۔ جُمّن نے کلّن سے کہا:

"کلّن بھائی۔ اُن کا رات بھر غائب رہنا بے معنی نہیں ہو سکتا۔ ضرور کوئی نہ کوئی گُل کھِل کر رہے گا۔"

کل شام تھی نے جُمّن سے کہا تھا:

"ہم بھی کیا لوگ ہیں، نہ سر پر چھت نہ ٹھہرنے کو ٹھور ٹھکانا۔ اپنی تو بُری بھلی کٹ گئی سو کٹ گئی مگر مُنّو کی طرف سے میں بہت فکر مند ہوں۔ یہ ٹھیک ہے کہ وہ آج کل کپتان صاحب کے یہاں ہے مگر بھیّا، اُن کا کیا اعتبار۔ کل ہی کو نکال باہر کریں۔ اِسی سوچ میں پگلا ہو گیا ہوں۔"

"یار تم بھی کمال کرتے ہو۔ پہلے کیوں نہ کہا مُجھ سے۔ تمہاری مُشکل وہیں آسان کر دیتا۔ میری ایک بیوہ خالہ ہیں۔ اُن کے اولاد نہیں۔ میرے خیال میں مُنّو کو اُن کی نگرانی میں دے دیا جائے۔ وہ بڑے اللہ آمین سے

اُس کی پرورش کریں گی۔ آؤ، ابھی چل کر اُن سے بات کرتے ہیں۔"

کلّن خالہ کے مکان کے اندر قدم رکھتے ہی ششدر رہ گیا۔ مکان کاہے کو تھا، حویلی تھی بڑے ٹھاٹھ کی۔ صفائی کی تو پوچھو نہیں۔ سارا گھر شیشے کی طرح چمک رہا تھا۔ جب اُس نے جُمّن کو دیکھا تو فوراً چٹ چٹ بلائیں لینے لگیں۔

کُچھ دیر اِدھر اُدھر کی باتیں ہوتی رہیں اور پھر جُمّن اپنے آنے کا مطلب بیان کیا تو خالہ نے ہاتھ کانوں پر دھر دیے۔ "توبہ کرو بیٹا، اب اِس بڑھاپے میں مَیں بچّے پالوں گی بھلا۔"

خالہ کا یہ ٹکا سا جواب سُن کر دونوں نامراد واپس آ گئے۔

*****

سمّی اور نیلو کو کل سے چھٹّیاں ہو گئی تھیں۔ کپتان صاحب ناشتے کی میز

سے اُٹھتے ہوئے کہنے لگے :

" بیگم، آج سینیما جانے کا پروگرام ہے۔ بچّوں کی چھٹیوں کا پہلا دِن ہے۔ اچھا رہے جو یہ بھی ذرا کھیل تماشے سے دِل بہلا لیں۔ میرا خیال ہے ہم سینما جائیں اور بچے چڑیا گھر کی سیر کر آئیں۔" اور پھر وہ خدا حافظ کہہ کر اپنے کام پر چلے گئے۔

بیگم اُنھیں الوداع کہنے دروازے تک آئیں اور لوٹیں تو ٹیلی فون کی گھنٹی بج رہی تھی۔ اُنھوں نے چونگا اُٹھا لیا۔ "جی، میں بول رہی ہوں۔ بیگم جعفر۔ اچھّا تُم ہو، کلّن، کہو خیریت سے تو ہو۔۔۔؟ نہیں بالکل شرارتی نہیں ہے، وہ تو بہت فرماں بردار لڑکا ہے۔۔۔۔ بھلا اِس میں مہربانی کی کیا بات ہے۔ ہم سمجھتے ہیں اور وہ بھی سمّی اور نیلو سے بہت گھُل مِل گیا ہے۔ اور ہاں سنو تو۔ آج تینوں چڑیا گھر جا رہے ہیں۔ کس وقت؟ یہی

کوئی دو بجے۔ اچھّا و علیکم السلام۔"

اس کے بعد بیگم بچّوں کے پاس آئی اور کہنے لگیں : "مُنّو، تمہارے کلّن ماموں کا ٹیلی فون آیا تھا وہ تمہارا پوچھ رہے تھے۔ اور سُنو بچّو، میں تمہیں ایک مزے کی بات بتانے آئی ہوں۔ آج دوپہر کے کھانے کے بعد کوئی دو بجے تمہیں چھُٹّی ہوگی۔ جی بھر کر سیر کرو اور چڑیا گھر دیکھو۔ کیوں بھئی، کیسی رہی؟"

*****

بیگم صاحبہ کو ٹیلی فون کرنے والا شخص کلّن نہیں وُدّو تھا۔ اُس نے ایک دُکان سے بیگم جعفر کو فون کیا تھا۔ دُکان کے باہر بُندُو کھڑا تھا۔ اُسے جماہی پر جماہی آ رہی تھی۔ وہ چھوٹتے ہی کہنے لگا :

"ارے کیا ہونّقوں کی طرح منہ کھول رہے ہو تُم، بند کرو اسے۔ اگر تمھیں سونا ہی ہے تو چلو ہاسٹل چلیں۔ مگر ٹھیک دو بجے اُٹھ کھڑے ہونا۔ ہمیں آج کئی جگہ جانا ہے۔"

"کون سی جگہ؟"

"چڑیا گھر۔"

"کیوں؟"

"مُنّو وہیں ہو گا۔"

"مگر ہم اُس کو کیسے پکڑ سکیں گے؟ وہاں تو چاروں طرف لوگ ہی لوگ ہوں گے؟" وُدّو نے جیسے کُچھ سُنا ہی نہیں۔ کہنے لگا۔ "ٹیلی فون پر جو باتیں ہوئی ہیں نا۔ اُن سے تو کم از کم یہ ظاہر ہوتا ہے کہ مُنّو نے ابھی تک کسی سے

ایک لفظ بھی نہیں کہا ہے۔"

"اور وہ کہنے کا بھی نہیں۔"

"چلو تھوڑی دیر کے لیے مان لیتا ہوں کہ وہ کُچھ نہیں کہے گا، مگر تُم ضمانت دیتے ہو اِس بات کی؟"

"لو بھئی کیسی باتیں کر رہے ہو تم بھی۔۔"

"تو پھر اِسی لیے تو کہہ رہا ہوں کہ اُس کا تیا پانچا کر دینا چاہیے۔ سمجھے؟ یہ ہیرے ہماری قسمت بدل دیں گے لیکن اُس چھوکرے کا ایک لفظ ہمیں موت کے گڑھے میں دھکیل سکتا ہے۔ اِس لیے اُس کا خاتمہ نہایت ضروری ہے۔ کہو، اب بھی سمجھے کہ نہیں؟"

*****

بیگم جعفر نے اپنے بچّوں کی تربیت اچھے ڈھب پر کی تھی۔ جب اُنھوں نے دیکھ لیا کہ اُنھیں اپنے اچھے بُرے کی پہچان ہو گئی ہے تو وہ اُنھیں اکیلا گھوم آنے کی اجازت دے دیا کرتی تھیں۔ اِس سے اتنا ہوا کہ بچّوں کو اپنے آپ پر بھروسا کرنے کی عادت ہو گئی۔

سہ پہر کو وہ گھر سے نکلے تو موسم بڑا سہانا تھا۔ تینوں بچّے کار کی طرف بڑھے اور پچھلی سیٹ پر جا ڈٹے۔ راستے میں سمّی اور نیلو مُنّو کو مشہور اور قابلِ دید مقامات دکھاتے رہے۔ تھوڑی دیر بعد ڈرائیور پُکارا۔ "چڑیا گھر آ گیا صاحب۔ آپ لوگ اندر جائیے۔ میں یہیں آپ کا انتظار کروں گا۔"

سمّی نے ٹکٹ خریدے اور وہ تینوں چڑیا گھر میں داخل ہونے لگے۔ اچانک مُنّو کے مُنہ سے ہلکی سی چیخ نکلی اور جلدی سے بھاگ کر پاس کھڑے ہوئے ایک سپاہی کے پیچھے چھُپ گیا۔ چڑیا گھر کے گیٹ پر اچانک دو

شخص آموجود ہوئے تھے۔ ایک لمبا سا تھا۔ مُونچھ داڑھی صاف اور دوسرا ہٹّا کٹّا چوڑا چکلا تھا، صدری پہنے اور مفلر لپیٹے۔ یہ بُندُو اور رُوڈّو تھے۔ نِیلو اور سمّی مُنّو کی یہ حرکت دیکھ کر بڑے حیران ہوئے۔ اُنھوں نے جلدی سے بُندُو اور رُوڈّو کو دیکھا جو قہر بھری نظروں سے مُنّو کو تک رہے تھے۔

نِیلو گھبرا گئی۔ سمّی سے کہنے لگی "یہ کون ہیں؟ مُجھے تو بدمعاش معلوم ہوتے ہیں۔" "معلوم تو مُجھے بھی بدمعاش ہی ہوتے ہیں۔ آؤ تو ذرا پوچھیں مُنّو سے کہ کیا معاملہ ہے؟"

مُنّو سپاہی کی بغل میں کھڑا اُن دونوں کا انتظار کر رہا تھا۔ اتنے میں سمّی اور نِیلو ہانپتے ہوئے اُس کے پاس پہنچ گئے۔

"کون ہیں وہ لوگ؟ اور تم اُنھیں دیکھ کر کیوں بھاگے؟" نِیلو نے پوچھا۔

"وہ میرے پیچھے ہاتھ دھو کر پڑے ہوئے ہیں۔"

"لیکن تُم نے اُن کا کیا بگاڑا ہے؟"

"بات یہ ہے کہ وہ۔۔۔۔ وہ۔۔۔ مُنّو کہنے بھی نہ پایا تھا کہ سمّی بول اٹھا: "ارے وہ اِدھر ہی آ رہے ہیں۔ چلو آؤ۔ لوگوں میں گھُل مل جائیں۔" اور پھر تینوں بھیڑ میں غائب ہو گئے۔

وُدّو اور بُندُو بھی آگے بڑھے، پھر وُدّو کُچھ سوچ کر بولا: "اگر ہم دونوں تلاش میں مصروف ہو گئے تو مُمکن ہے وہ ہم دونوں کی آنکھوں میں دھول جھونک کر چلتے بنیں۔ بہتر ہے کہ تُم دروازے کی اوٹ میں کھڑے ہو جاؤ اور جُونہی مُنّو باہر نکلے اُسے ایک دم دبوچ لینا۔ "دیکھنا، نکلنے نہ پائے۔ ہوشیار رہنا۔"

”یار وُدّو ، تم بھی کیسی باتیں کرتے ہو۔ مُرشد کی قسم چھوکرا اور بچ نکلے میرے ہاتھوں سے۔ توبہ کرو۔“

وُدّو بھیڑ میں شامل ہو گیا اور آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر مُنّو کو تلاش کرنے لگا۔ لوگ اِدھر اُدھر آ جا رہے تھے اور اپنی اپنی دلچسپی کی چیزیں دیکھنے میں محو تھے۔ انہی لوگوں میں دو میاں بیوی ایسے بھی تھے جن کا مُنّو کے برابر ایک لڑکا تھا۔ اُس کا نام جمّی تھا۔ جمّی کا مُنہ ڈھانپ دیا جاتا تو یہی معلوم ہوتا کہ مُنّو کھڑا ہے۔ سمّی، نِیلو اور مُنّو بے خیالی میں اُن لوگوں کے ساتھ ہو لیے اور اگر کوئی دیکھتا تو یہی سمجھتا کہ یہ بھی جمّی کے بہن بھائی ہیں۔

اتنے میں نِیلو کو نہ جانے کیا خیال آیا کہ وہ مُنّو سے پوچھنے لگی: ”پھر تو نظر نہیں آئے تمھیں وہ بدمعاش۔“

مُنّو نے گھبرا کر ایک طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "ابھی وُدّو کو تو میں نے دیکھا ہے وہاں۔ مگر بُنّدُو دکھائی نہیں دیا۔ کہیں چھُپ نہ رہا ہو مُجھے پکڑنے کو۔"

مُنّو نے مُشکل سے بات ختم کی ہوگی کہ جمّی کی ماں نے چلّا کر کہا: "ہائیں، یہ جمّی کہاں گیا؟ ہائے میرے اللہ! اے میں نے کہا، جمّی کے ابّا جمّی کو تو ڈھونڈو۔" جمّی بھیڑ بھاڑ میں پیچھے رہ گیا تھا اور اب جلدی جلدی قدم اُٹھاتا اپنی امّی کے پاس جانے کی کوشش کر رہا تھا کہ کسی نے پیچھے سے اُس کی گردن پر ہاتھ ڈالا۔ جمّی نے سمجھا کہ شاید ابّا ہیں مگر جب ہاتھ ذرا سخت ہوا اور ساتھ ہی حُکم بھی، لاکہ "اِدھر کو چل چُپکے سے۔ خبردار جو مُنہ کھولا۔" تو جمّی کے ہوش اُڑ گئے اور وہ بِلبلا کر چیخ اُٹھا۔ اس کا مُنہ پھاڑ کر چیخنا تھا کہ ابّو اور امّی چیختے چِلّاتے اُس کے پاس پہنچ گئے۔ وُدّو نے جو یہ دیکھا تو ایک دم گردن چھوڑ سی اور یوں پیچھے ہٹا جیسے اُس پر بجلی گری ہو۔ چیخ پُکار سُن کر

لوگ اُن کے ارد گرد جمع ہو گئے اور اِس ہل چل میں سمّی مُنّو اور نیلو اکیلے رہ گئے۔

یہ دیکھ کر سمّی بولا: "بڑا اچھا موقع ہاتھ آیا ہے۔ چلو یہاں سے۔" اور تینوں ہاتھوں میں ہاتھ دیے دروازے کی طرف چلنے لگے۔ جب بُندُو نے دیکھا کہ وہ دروازے کی طرف آ رہے ہیں تو وہ دروازے کے عین بیچ میں آ کھڑا ہوا۔ لیکن وہ گھبرایا ہوا تھا۔ ایک تو اُس نے شور سُن لیا تھا جس سے سارا چڑیا گھر گونج اُٹھا تھا اور دوسرے سپاہی کی موجودگی اُسے بُری طرح کھٹک رہی تھی۔

"ہمیں گزرنے دیجیے۔" سمّی نے بُندُو سے کہا۔

"ذرا ٹھہرو۔" بُندُو ہنستے ہوئے کہنے لگا۔ "ہم اپنے بیٹے کو چاکلیٹ دیں

گے۔"

نِیلو نے چمک کر کہا۔ "اپنے چاکلیٹ رکھیے اپنے پاس، ہمیں آپ کے چاکلیٹ کی ضرورت نہیں ہے۔"

"اگر آپ راستے سے نہیں ہٹیں گے تو ہمیں سنتری کو آواز دینی پڑے گی۔" سمّی نے کہا اور ساتھ ہی زور سے بولا۔ "سنتری جی!"

بُنڈُو تڑپ کر ایک طرف ہٹ گیا اور تینوں یہ جا وہ جا۔

وُدّو بُری طرح لوگوں کے نرغے میں گِھرا انہیں یقین دلا رہا تھا کہ میں ایمان سے کہتا ہوں کہ مُجھے اِس پر اپنے بھتیجے کا دھوکا ہو گیا تھا اور میں نے غَلطی سے اِس کی گردن پر ہاتھ رکھ دیا تھا۔۔۔"

جمّی کے ابّو تو وُدّو کو تھانے لے جانے پر تُلے ہوئے تھے مگر لوگوں نے

بیچ میں پڑ کر معاملہ رفع دفع کروا دیا۔

جب وُدّو بُندُو کے پاس آیا تو اُس سے پوچھا: "کہاں ہے مُنّو؟"

"مُنّو اور مُنّو کے سب ساتھی ہوا ہو گئے۔" بُندُو نے کہا۔

"ہونہہ، تو یہ کیوں نہیں کہتے کہ تُم نے خود چھوڑ دیا ہے اُنہیں۔" وُدّو نے کہا۔

"کیسی باتیں کرتے ہو۔ میری مت ماری گئی تھی جو میں اُنہیں جان بوجھ کر چھوڑ دیتا۔ اچھّا اب ذرا آہستہ بولو۔ وہ سنتری نہیں دکھائی دے رہا ہے تمہیں؟" بُندُو نے سنتری کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

گودام میں

بچّے شام کو گھر لوٹے تو بیگم جعفر اور کپتان صاحب سینما جانے کے لیے تیّار کھڑے تھے۔ اُنہیں دیکھ کر بیگم کہنے لگیں:

"لو بھئی، ہم سینیما جا رہے ہیں اور تمہارا کھانا میز پر رکھا ہے۔ لیکن یہ یاد رہے کہ تمہیں آٹھ بجے سو جانا ہے۔ گھر میں چوکیدار اور بیرا موجود ہیں۔ ڈرنا مت اچھا خُدا حافظ۔"

جب دونوں میاں بیوی چلے گئے تو نِیلو نے مُنّو سے کہا۔ "جب تک امّی نہیں آ جاتیں، تم ہمارے ہی کمرے میں رہنا۔ اپنا بستر یہیں لے آؤ۔"

پھر اُس اِدھر اُدھر دیکھا اور آہستہ سے بولی۔ "کہیں وہ یہاں تو نہیں آ جائیں گے؟"

"کپتان صاحب کا گھر ہے۔ مذاق نہیں۔ اور پھر آپ کا بیرا اور چوکیدار جو ہیں۔ وہ اُن کی ہڈّیاں توڑ دیں گے۔" مُنّو نے کہا۔

سمّی بولا۔ "اچھّا ہے وہ یہاں نہ آئیں۔ اگر آ گئے تو سر پھُوڑ دوں گا۔"

یہ کہہ کر اُس نے آستینیں چڑھا کر اپنے بازوؤں کی ننّھی ننّھی مچھلیاں دِکھائیں تو سب قہقہہ مار کر ہنس پڑے۔

"بھئی مُجھے تو سخت بھوک لگی ہے، آؤ کھانا کھائیں۔"

تینوں اُٹھ کر کھانے کے کمرے میں گئے اور بیرے سے کھانا لانے کو کہا۔ کھانے سے فارغ ہو کر وہ اپنے کمرے میں آ گئے اور سونے کی تیّاری کرنے لگے۔ "یہ مُنّو تو بہت ملنسار نکلا۔ دیکھو تو کتنی جلدی ہم سے گھُل مِل گیا ہے۔" نِیلو نے سمّی سے کہا۔ "ہاں۔ مگر اُس نے ہماری سیر کا ستیاناس کر ڈالا اور یہ بھی نہیں بتایا کہ آخر یہ قصّہ تھا کیا؟"

مُنّو سر جھُکائے بیٹھا تھا، جیسے شرمندہ ہو۔ سمّی نے اُسے ٹھوکا دیا اور بولا۔ "اب بتاؤ بھی کہ یہ کیا معاملہ تھا؟ وہ لوگ کون تھے اور تُم اُن سے اِتنے خوف زدہ کیوں تھے؟"

مُنّو نے سوچا، اب انہیں بتانا ہی پڑے گا۔ ایسا نہ ہو کہ یہ کپتان صاحب سے کہہ دیں اور وہ ناراض ہو کہ مُجھے گھر سے نکال دیں۔ اُس نے سر اُٹھا کر سمّی اور نِیلو کی طرف دیکھا اور پھر آہستہ سے کہا۔ "یہ ایک راز کی بات

ہے۔ پہلے وعدہ کیجیے، کسی سے نہیں کہیں گے۔"

"وعدہ رہا۔" سمّی اور نیلو نے اپنے ہاتھ مُنّو کے ہاتھ پر رکھتے ہوئے کہا۔

"وہ دونوں چور ہیں۔ وُدّو اور بُندُو اُن کا نام ہے۔ اُنھوں نے کہیں سے ہیرے جواہرات چرائے ہیں اور اُنھیں ایک جگہ چھُپا دیا ہے۔ وہ جگہ مُجھے معلوم ہے۔ اِسی لیے وہ میری جان کے لاگو ہو گئے ہیں۔" مُنّو نے آہستہ آہستہ ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔

"اونہہ مگر وہ ہیرے ہیں کہاں؟" سمّی نے پوچھا۔

"گودام میں ایک کریٹ کے اندر رکھے ہیں۔"

"کون سا گودام؟"

"وہی گودام جہاں سلطان کا مال اسباب رکھا جاتا ہے۔"

"مگر وہ ہیں کس کے؟ میرا مطلب ہے کہ اُن کا مالک کون ہے؟"

مُنّو نے ایک لمحے کے لیے سوچا اور پھر حوصلے سے جواب دیا۔ "مالک کی تو مُجھے خبر نہیں کہ کون ہے لیکن یہ ضرور جانتا ہوں کہ یہ ہیرے بُنّدُو اور رُودّو کے نہیں ہیں؟"

"اگر ہم اُنہیں وہاں سے نکال کر اپنے پاس حفاظت سے رکھ لیں تو کیسا رہے؟" نِیلو بولی۔

"اور جب اصل مالک کا پتا چل جائے تو اُسے واپس کر دیں۔" سمّی نے کہا۔

مُنّو خوش ہو کر بولا۔ "یہ تو بہت اچھّا ہو گا لیکن اگر ہم نے دیر کی تو وہ بدمعاش

ہیروں کو وہاں سے اُڑا لیں گے۔"

"تو کیوں نہ ہم آج رات ہی اُنہیں وہاں سے لے آئیں؟" سمّی نے کہا۔

"اگر آج ہی جانا ہے تو آدھی رات کو نکلنا پڑے گا۔"

"جی ہاں اور میں نے اپنے دِل میں سارا نقشہ تیّار کر لیا ہے۔ تمہارا کام بس یہی ہے کہ میرا حُکم مانو۔" سمّی نے کہا۔ "اور کسی کو رتّی بھر بھی معلوم نہ ہو یہ بات۔" مُنّو بولا۔

"توبہ کرو۔" سمّی اور نِیلو نے ایک ساتھ کہا۔

اتنے میں ایک کار دروازے پر آ کر رُکی اور ٹھک سے پٹ کھلے۔ نِیلو دوڑی دوڑی کھڑکی کے پاس آئی اور باہر جھانک کر بولی۔ "آ گئے۔"

"اپنے اپنے بستر پر۔ فوراً۔" سمّی نے جلدی سے کہا۔

سب اپنے اپنے بستروں میں جا گھسے۔ ہر طرف خاموشی چھا گئی۔

بیگم اور کپتان اُوپر آئے اور ہولے ہولے کمرے میں داخل ہوئے۔ اُنھوں نے دیکھا کہ سب سو رہے ہیں تو اُلٹے پاؤں واپس ہو گئے۔ اُن کے جانے کے بعد سمّی اور مُنّو بستروں سے نکل آئے اور چلنے کی تیّاریاں شروع ہو گئیں۔ مُنّو کو جیسے کُچھ یاد آ گیا ہو۔ کہنے لگا۔ "کریٹ کی تختی کھولنے کے لیے پیچ کس نہ بھُولنا۔ میرے پاس تو صرف ایک چھوٹا سا چاقو ہے۔"

سمّی نے پیچ کس کے ساتھ ٹارچ اور اپنا چھرّوں والا پستول بھی جیب میں ٹھونس لیا اور دیوار دیوار کرتے ہوئے پچھواڑے کے کمرے کی چھت پر

آ گئے وہاں دیوار کے ساتھ، باہر کے رُخ، ایک سیڑھی لگی ہوئی تھی۔ اُس نے پانی کے نل کو مضبوطی سے پکڑا، پھر ذرا نیچے کو کھسکا اور پاؤں سیڑھی پر رکھ دیے۔ پھر دو منٹ بھی نہ لگے ہوں گے کہ وہ فرش پر کھڑا تھا۔ اِسی طرح مُنّو اور نیلو بھی نیچے اُتر گئے۔

سلطان کا گودام دوسرے گوداموں کے بیچوں بیچ واقع تھا جو میلوں تک ساحلِ سمندر کے ساتھ ساتھ پھیلے ہوئے تھے۔ اُن کے دروازے لوہے کے بنے ہوئے تھے اور اتنے بڑے تھے کہ اُن میں سے لاریاں اور ٹرک آسانی سے گُزر سکتے تھے۔ اِن دروازوں میں ایک اور چھوٹا سا دروازہ بنا ہوا تھا جس میں سے فقط ایک آدمی کے آنے جانے کی گنجائش تھی اور اُس کے ساتھ ہی بائیں ہاتھ ایک چھوٹی سی لکڑی کی کوٹھڑی تھی۔ چوکیدار دو تین چکّر لگا کر اُس کوٹھڑی میں سستا لیتا تھا۔ رات کے وقت دروازوں

میں تالے پڑ جاتے تھے۔

سلطان کے گودام کے دروازے کے سامنے پتھر کی سیڑھیاں تھیں جو اوپر کی منزلوں کو جاتی تھیں۔ گُل خان اِس گودام کا چوکیدار تھا۔ اُس کی ڈیوٹی سات بجے شام سے صُبح کے چھے بجے تک تھی۔ ہر روز رات کو دس بجے اس کی بیوی کھانا لے کر آتی تھی لیکن آج ساڑھے دس بج گئے تھے اور وہ ابھی تک نہیں آئی تھی۔ گُل خان غصّے سے بڑبڑا رہا تھا۔

پندرہ منٹ کے بعد اُسے چکّر لگانا تھا۔ اگر وہ بیوی کی خاطر دروازہ ذرا سا کھُلا رہنے دے اور خُود گشت چلا جائے تو یہ حُکم کی خلاف ورزی تھی اور جو اِسے بند کر دے تو بیوی کو باہر کھڑا رہنا پڑتا تھا۔ اور وہ بھی پورا آدھا گھنٹا۔ کیونکہ گودام اتنا لمبا چوڑا تھا کہ اُس میں گھومنے کے لیے آدھ گھنٹے سے کُچھ زیادہ وقت درکار تھا۔ اُس نے ٹارچ اور چابیوں کا گچھا سنبھالا۔

چوٹا دروازہ تھوڑا سا کھلا رہنے دیا اور گشت پر روانہ ہوگیا۔

اُسی وقت ایک لڑکی اور دو لڑکے چھُپتے چھُپاتے ادھ کھُلے دروازے تک پہنچ گئے۔ اُس وقت ساحلِ سمندر سے تیز ہوائیں آ رہی تھیں اور سوکھے کڑکڑاتے پتّوں اور بِکھرے کاغذوں کو آگے آگے اُڑائے لیے جا رہی تھیں۔ یہ دیکھ کر نیلو کانپ سی گئی اور جھٹ پٹ کوٹ کا کالر گردن تک اُٹھا لیا۔ سمّی پھُونک پھُونک کر پاؤں رکھتے ہوئے آگے بڑھ رہا تھا اور اُنھیں اِشارے سے کہہ رہا تھا کہ میرے پیچھے چلے آؤ۔ اُس نے بڑی احتیاط سے دروازے میں سے اندر جھانکا اور جب دیکھا کہ دُور دُور تک نہ کوئی شخص دِکھائی دے رہا ہے اور نہ کسی کے ملنے جُلنے کی آواز آ رہی ہے تو دروازے سے گُزر کر اندر چلا گیا اور اِدھر اُدھر غور سے تکنے لگا۔

مُنّو نے آہستہ سے کہا۔ "مجُھے اچھّی طرح یاد ہے کہ مزدُور اِس کریٹ کو

پہلی منزل میں چھوڑ آتے تھے۔"

"تو پھر آؤ پہلی منزل میں چلیں۔" سمّی نے کہا۔

سب سے آگے سمّی چل رہا تھا۔ اُس کے پیچھے نِیلو تھی اور آخر میں مُنّو۔ سیڑھیوں کے موڑ پر وہ رُک گئے اور کان لگا کر سُننے لگے مگر وہاں پر ہوا کی سائیں سائیں کے سوا کوئی آواز سُنائی نہ دی۔ اُن کے سامنے لا تعداد کریٹ، بڑے بڑے صندُوق، لمبے چوڑے پیپے، ٹُھسے ہوئے بورے اور بنڈلوں کے بنڈل اوپر تلے پڑے تھے۔

سمّی نے جیب سے ٹارچ نکالی ہی تھی کہ گھبرا کر بولا: "ارے یہ کیا ہے؟" اُنھوں نے "پچ" کی آواز سُنی جو کسی نرم سی چیز کے گِرنے سے پیدا ہوئی تھی۔ اُس نے ٹارچ کی روشنی میں دیکھا تو اُسے ایک چوہا نظر آیا جو بھاگ کر

اپنے بِل میں گھُس گیا تھا۔

"چلیے آؤ میرے پیچھے۔" سمّی یہ کہہ کر آگے بڑھا اور مال اسباب کی پہاڑیوں کے ننھّے ننھّے دروں میں سے گُزرنا شروع کر دیا۔ دونوں لڑکے دائیں بائیں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھ رہے تھے کہ کہیں ہیروں والا کریٹ نظر آ جائے۔ مگر نِیلو کُچھ ڈری ہوئی سی تھی۔ وہ دِل میں کہہ رہی تھی۔ "میں خواہ مخواہ اُن کے ساتھ آ گئی۔ اِس وقت گھر میں نیند کے مزے لے رہی ہوتی۔"

اچانک مُنّو نے سمّی کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ "میں کریٹ کی شکل صورت پہچانتا ہوں۔ مُجھے آگے آنے دو۔"

سمّی بولا۔ "چلو یُوں ہی سہی۔ مگر صرف اب کی بار۔"

"لیکن میں کہتی ہوں یوں آگے ہی آگے بڑھتے جاتا کُچھ ضروری ہے کیا؟"
نِیلو نے اُکتا کر کہا۔

"تُم باہر جا کر ہمارا انتظار کرو۔ ہم ابھی آتے ہیں۔" سمّی نے کہا۔ اتنے میں ایک ہولناک آواز آئی "ٹھائیں" اور ساتھ ہی ایک ٹین کا ایک بڑا سا ٹکڑا فرش پر گِرا۔ نِیلو جست لگا کر چائے کی پیٹیوں اور روئی کے بوروں کے درمیان آ دُبکی۔ دونوں لڑکے بھی اُس کے پیچھے آ گئے۔

"ارے یہ کیا؟" سمّی نے نِیلو کے کان میں کہا۔ "تمہیں تو میں بڑا جی دار سمجھتا تھا اور تُم کانپ رہی ہو۔"

نِیلو نے دھیمی آواز میں کہا۔ "جانے مُجھے کیا ہو گیا تھا۔ میں سمجھی کوئی چیز ہولے ہولے ہماری طرف بڑھ رہی ہے اور پھر ساتھ ہی یہ خوف ناک

آواز سُنائی دی۔"

"تمہارا وہم ہے۔ چلی آؤ میرے پیچھے پیچھے۔" یہ کہہ کر سمّی وہاں سے نکل آیا مگر مُنّو وہیں کھڑا رہا۔ اس نے سر کو ایک طرف جھکا رکھا تھا جیسے کُچھ سُننے کی کوشش کر رہا ہو۔ ایک سمت سے لوگوں کی آوازیں آ رہی تھیں۔ تھوڑے سے وقفے کے بعد سمّی نے کہا۔ "گلی میں لوگ باتیں کر رہے ہیں۔"

"مُجھے تو کلّن ماموں کی آواز سُنائی دی تھی۔" مُنّو نے کہا۔

"ارے چھوڑو ان وہموں کو، آؤ میرے پیچھے۔" سمّی بولا۔

*****

جب یہ بچے ہیروں کی کھوج میں ہاتھ پاؤں مار رہے تھے تو اُس وقت چار اور

آدمی بڑے دروازے پر آموجود ہوئے تھے۔ کلّن اور جُمّن یوں چل رہے جیسے اُن کے پاؤں دُکھ رہے ہوں۔ بُندُو اِس روز روز کی بَک بَک سے تنگ آگیا تھا اور مُنہ ہی مُنہ میں بُڑبُڑا رہا تھا۔ وُدّو اِن سب کے پیچھے پیچھے تھا۔

بُندُو نے کلّن کو کڑی نظروں سے دیکھتے ہوئے وُدّو سے کہا۔ "میں کہتا ہوں ہم اِن کو یہیں کیوں نہ چھوڑ دیں اور خود اکیلے اندر جائیں؟"

وُدّو کا ارادہ تھا کہ میں جُمّن اور کلّن کو آگے بھیج دوں گا اور میں اور بُندُو گُل خان کو دروازے پر روکے رکھیں گے۔ مگر اب جو دروازہ کھلا پایا اور گُل خان کو غیر حاضر تو ارادہ بدل دیا۔ وہ جُمّن اور کلّن سے کہنے لگا۔ "تم دونوں یہیں ٹھہرو۔ اگر گُل خاں کہیں سے آ ٹپکے تو اُسے باتوں میں لگائے رکھنا۔"

"بہت اچھّا۔ تُم جاؤ۔" کلّن نے کہا اور بُندُو اور وُدّو پلک جھپکتے میں دروازے میں غائب ہو گئے۔

*****

ننّھے جاسوس کریٹ کو ڈھونڈتے ڈھونڈتے ہال سے نکل کر ایک بغلی کمرے میں آ گئے تھے۔ سمّی نے مُنّو سے پوچھا۔ "وہ کریٹ کِس شکل کا تھا؟"

"بہت بڑا لکڑی کا کریٹ تھا وہ۔ جس کی ایک طرف۔۔۔" اُس نے بات ادھوری چھوڑ دی اور خوشی سے اُچھل کے کہنے لگا: "وہ رہا وہ۔"

تینوں آگے بڑھے اور کریٹ کے پاس آ کر رُک گئے۔ مُنّو نے جیسے کوئی مُلک جیت لیا ہو۔ بولا:

"یہ ہے وہ کریٹ۔ اِس جگہ سے کھولا تھا اُنھوں نے اِسے۔ ذرا مجُھے پیچ کَس دینا۔"

مُنّو کام میں مصروف ہو گیا اور اُس نے لوہے کی پتری کو بآسانی اُکھیڑ ڈالا۔ اِتنے میں سمّی گھبرا کر دھیمی آواز میں بول اُٹھا:

"ارے دیکھنا۔ کوئی آ رہا ہے۔ اِس طرف، فوراً۔۔۔۔"

وہ چند گز دوڑے اور پھر تیر کی طرح ایک طرف مُڑ گئے۔ راستا تنگ تھا اور اندھیرا تھا بلا کا۔ مگر اُنھوں نے دِل تھوڑا نہ کیا اور ایک جگہ چھُپ کر گِننے لگے قدموں کی چاپ نزدیک سے نزدیک ہوتی جا رہی تھی۔ پھر ایک دم رُک گئی اور سرگوشیوں کی سی آواز آئی۔

مُنّو سمّی کے کان کے ساتھ منہ لگا کر کہنے لگا۔ "میں اُس نکڑّ تک جا کر دیکھتا

ہوں کہ کون ہے۔ اللہ کرے کلّن ماموں ہوں۔"

وہ احتیاط سے دبے پاؤں وہاں تک پہنچا اور نظر بچا کر جو دیکھا تو اُس کا دِل دھک سے رہ گیا۔ کلّن ماموں تو نظر نہ آئے البتّہ وہ دونوں بدمعاش موجود تھے وُدّو اور بُندُو۔ وُدّو کریٹ سے لوہے کی پتری علیحدہ کر رہا تھا۔

ایکا ایکی سمّی کو اپنے چھرّوں والے پستول کا خیال آیا۔ اُس نے بجلی کی سی تیزی سے پستول نکالا اور چھرّا بھر کر بُندُو کی گردن کو نشانہ بنایا اور لبلبی دبا دی۔ چھرّا بُندُو کی گردن میں لگا اور اُس نے درد بے تاب ہو کر زور کی چیخ ماری۔

عین اُس وقت گُل خان بڑا دروازہ بند کر رہا تھا۔ اُس نے کسی کے چیخنے کی آواز سُنی تو آوَ دیکھا نہ تاوَ، ہاتھ میں جو لوہے کا لٹھ تھا اُسے زور سے کھایا اور

پورا زور لگا کر جدھر سے آواز آئی تھی اُدھر دے مارا۔ اِس کے ساتھ ہی خود بھی اُسی سمت دوڑنا شروع کر دیا۔ وہ اندھا دُھند دوڑتا جا رہا تھا کہ کسی نے اُس کے گلے پر ایک بھرپور گھونسا مارا اور وہ چکرا کر وہیں فرش پر ڈھیر ہو گیا۔ مُنّو نے سمجھا تھا کہ ہم جیت گئے مگر معاملے کا یہ رنگ دیکھ کر اُداس سا ہو گیا۔ ابھی وہ کچھ سوچنے بھی نہ پایا تھا کہ کیا دیکھتا ہے کہ وُدّو مزے سے کریٹ کھولنے میں مصروف ہے اور بُندُو کھڑا بُڑبُڑا رہا ہے۔ "وُدّو یار یہاں کے مچھرّ بھی بڑے زہریلے ہیں کم بخت۔ ظالم آدم خور تھا۔ ایسا کاٹا ہے کہ میں تو بلبلا اُٹھا۔"

اِتنے میں مُنّو کے کانوں میں گھن گرج کی آواز آئی جو آہستہ آہستہ تیز ہوتی جا رہی تھی۔ یہ آواز کسی موٹر گاڑی کی تھی جس کے پہیّے پتھرّوں پر اُچھل اُچھل پڑتے تھے۔ بُندُو نے بھی اُس آواز کو سُن لیا تھا۔ وہ وُدّو سے کہہ رہا

تھا۔ کوئی آ رہا ہے۔ وُدّو غصّے کے مارے آپے سے باہر ہو رہا تھا۔ اُس نے گالیاں بکتے ہوئے بُندُو کو اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کیا اور دونوں پتھرّ کی سیڑھیاں اُترتے ہوئے بھاگ گئے۔

مُنّو نے نِیلو اور سمّی کو اشارے سے بُلایا اور کہنے لگا۔ "وہی دونوں بد معاش تھے۔ بُندُو اور وُدّو۔ اللہ جانے تیسرا کون تھا۔ مگر اُس غریب کو تو اُنھوں نے ڈھیر کر دیا ہے وہیں۔"

"مگر اب گئے کدھر ہیں وہ؟" سمّی نے پوچھا۔

"وہ موٹر گاڑی کا پتا کرنے گئے ہیں۔ اگر اِس عرصے میں ہم پھرُتی سے کام لیں تو یقین جانو ہیروں کے مالک ہم ہوں گے۔"

"تو پھر آؤ۔۔۔"

یہ لفظ سمّی کے منہ میں ہی تھے کہ مُنّو تیر کی طرح کریٹ کے پاس پہنچا اور کام شروع کر دیا۔ اُدھر جب نِیلو نے گُل خان کو فرش پر بے سُدھ پڑا دیکھا تو اُس کا دِل رحم سے بھر گیا۔ وہ اُس پر جھُک گئی اور نبض دیکھنے لگی۔ اُسے یہ دیکھ کر خوشی ہوئی کہ وہ مرا نہیں۔ اب وہ اِس کوشش میں تھی کہ کوئی کپڑا یا دھجّی مل جائے تو اُس کے سر کے نیچے رکھ دے جس سے اُسے کُچھ آرام پہنچے۔ چند گز کے فاصلے پر اُسے ایک ٹوپی نظر آئی۔ وہ اُسے لینے بڑھی تو آخری کونے میں ایک لمبا چوڑا سایہ لہراتا دِکھائی دیا جو بڑی بھیانک آواز میں چیخ کر بولا۔ "ابے وُدّو سُن۔"

یہ سُن کر نِیلو کے منہ سے بے اختیّار چیخ نکل گئی۔ "سمّی" اور وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے کونے کی طرف اشارہ کرنے لگی۔ دونوں لڑکے گولی کی طرح آئے اور اُس کا ہاتھ پکڑ کر بھاگے۔

وُدّو تیزی سے بُندُو کے پاس پہنچا۔ وہ کہہ رہا تھا۔ "وہی شیطان تھا اور اُس کے ساتھ دو شیطان اور تھے۔"

وُدّو غصّے سے لال پیلا ہو کر بولا۔ "تُم آخر کِس مرض کی دوا ہو؟ گدھے سے اتنا بھی نہ بن پڑا کہ اُنہیں پکڑ ہی لیتا۔ کِس طرف گئے ہیں وہ؟ اب کے اگر ہاتھ آیا تو کھال کھینچ ڈالوں گا۔"

اِس دوران میں گُل خان کو ہوش آ گیا۔ اور وہ یہ دیکھ کر بہت حیران ہوا کہ وہ فرش پر پڑا ہے۔ اُس کے کانوں میں بھاری بھاری اور ہلکے پھُلکے قدموں کی آوازیں آ رہی تھیں۔ اُس نے درد سے کراہتے ہوئے پہلو بدلا۔ اُس کا سر چکرا رہا تھا اور وہ کمزوری سے اُٹھ نہ سکتا تھا۔ وہ چند منٹ تک بے حرکت پڑا رہا اور اپنے قریب کی ایک چیز پر نظریں گاڑ دیں اور وہ چیز تھی لوہے کا لٹھ۔ اور پھر اچانک اُس کے ذہن میں سارا واقعہ تازہ ہو گیا

اُس نے دِل میں کہا۔ "مجُھے اُٹھ کر خطرے کی گھنٹی بجا دینی چاہیے۔"

تینوں بچّے بڑے بڑے بیلنوں اور گھاس کاٹنے کی مشینوں سے بچتے بچاتے بھاگتے چلے جا رہے تھے۔ اُن کے پیچھے وُدّو اور بُنڈُو تھے۔ یوں معلوم ہوتا تھا جیسے چڑیلوں اور بھُوتوں کا ناچ ہو رہا ہے۔

آخر وہ ایک ایسی جگہ پر پہنچے جو چاروں طرف سے بڑے بڑے کریٹوں، بھاری بھدّی میزوں اور رسّیوں، لمبے چوڑے صندُوقوں، بیلچوں کے انباروں اور بے شمار ٹھیلوں سے گھِری ہوئی تھی اور اِس کے علاوہ ایک طرف کھاد کے بوروں کا ایک پہاڑ آسمان سے باتیں کر رہا تھا۔

"چوٹی پر۔" سمّی نے چیخ کر کہا اور منٹوں میں اُلانگتے پھلانگتے تینوں کھاد کے بوروں پر پہنچ گئے۔ مُنّو نے مُڑ کر دیکھا تو وُدّو اور بُنڈُو بھی اوپر چڑھتے چلے آ

رہے تھے۔ اُس نے ایک بورے کا ایک کونا خود پکڑا اور دوسرا اسمّی کو پکڑنے کے لیے کہا۔ پھر اُن دونوں نے زور سے جھونٹا دے کر اُسے نیچے پھینک دیا۔ بورا سیدھا بُندُو کے پیٹ میں جا لگا اور وہ "ہائے مرا" کہہ کر دھڑام سے نیچے گِر پڑا۔

"ایک اور۔" مُنّو بولا۔ اور اُن کے دوسرے بورے نے وُدّو کو گرا دیا اور وہ لُڑھکتا ہوا ایک ٹھیلے کے ساتھ جا ٹکرایا۔ تینوں بچّے دوسری طرف سے اُتر کر ہوا ہو گئے۔ وہ بھاگتے جا رہے تھے کہ نِیلو نے ایک تنگ راستے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا "یہ راستا ہمیں پھر سیڑھیوں تک پہنچا دے گا چلو آؤ۔"

یہاں تیز مسالوں کی بُو پھیلی ہوئی تھی اور دار چینی اور لونگ کے بے شمار کس اِدھر اُدھر پڑے تھے۔ اچانک مُنّو کو ایک خیال آیا۔ اُس نے چاقو نکالا

ایک بکس کو پھاڑا اور اُس میں ہاتھ ڈال کر پِسے ہوئے گرم مسالے کا ایک پیکٹ نکال لیا۔ اُس کے بعد وہ کتنی ہی بھُول بھلیّوں میں بھاگتے رہے۔ جب دم لینے کو ٹھہرے تو کیا دیکھتے ہیں کہ اُسی کریٹ والے ہال میں کھڑے ہیں۔ وہ حیرانی سے ایک دوسرے کا منہ تکنے لگے۔ موقع سے فائدہ اُٹھانے کا خیال مُنّو کے دِل میں گُدگُدیاں کرنے لگا۔ اُس نے سمّی کے کان میں کہا۔ "موقع بڑا شاندار ہے۔ معلوم ہوتا ہے گُل خان بھی چلا گیا ہے اور آس پاس کوئی نظر نہیں آ رہا ہے۔ وہ رہا کریٹ وہ جس کے ساتھ پتری لٹک رہی ہے۔ میں اُسے کھولنے کی کوشش کرتا ہوں۔"

یہ کہہ کر وہ کریٹ کے پاس چلا گیا۔ سمّی اور نیلو ذرا ہٹ کر چوکسی کرنے لگے۔

"ہت تیرے کی۔ وہ پکڑا۔" یہ کہتے ہوئے اچانک وُدّو نے سمّی کی گردن

دبوچ لی۔ سمّی چیخا، دھاڑا، بہتیری دولتیاں چلائیں۔ مگر وُدّو کی گرفت ڈھیلی نہ پڑی۔ آناً فاناً اُس کے پیچھے سے بُندُو نے سر نکالا اور نیلو پر ہاتھ بڑھایا لیکن اُس نے پہلو بدلا اور بھاگ کر ایک طرف ہو رہی۔ اِس ہل چل میں مُنّو ایک پیپے پر چڑھ گیا اور جب دیکھا کہ بُندُو اُس سے ایک گز کے فاصلے پر ہے تو اُس نے بازو بُلند کیا اور پیکٹ والی چیز ہوا میں بکھیر دی۔ ننّھے ننّھے کالے اور مٹیالے ذرّوں کی بارش نے بُندُو کے سر اور کاندھوں کو آلیا۔ اُس کا سانس رُک گیا اور چھینک چھینک کر وہ اَدھ مُوا ہو گیا۔

اب مُنّو فرش پر کُود پڑا۔ "اپنے سر کو بچانا سمّی" یہ کہہ کر اُس نے وہی پیکٹ وُدّو کے سر پر چھڑک دیا۔ وُدّو گھبرا کر پیچھے ہٹا اور سمّی اُس کی گرفت سے آزاد ہو گیا۔

اِتنے میں گھنٹی کی آواز نے فضا میں قیامت بپا کر دی۔ گُل خان نے

خطرے کی گھنٹی بجا دی تھی۔ تینوں بچّے سر پر پاؤں رکھ کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ وہ دوڑتے دوڑتے صحن کو پار کر کے لوہے کے بڑے دروازے تک پہنچے اور اُس پر بندروں کی طرح چڑھ کر دوسری طرف دھم سے کود پڑے۔ اُدھر چاروں طرف سے آگ بجھانے والے انجن ٹن ٹن کرتے آرہے تھے اور اُن کے شور سے کان پڑی آواز سُنائی نہ دیتی تھی۔

سمّی نے آہستہ سے کہا۔ "وہ سامنے ایک ٹرک کھڑا ہے۔ میرا خیال ہے اُس میں چھُپ جائیں۔ جب یہ افراتفری ختم ہو جائے تو پھر گھر جانے کی سوچیں گے۔"

تینوں ٹرک میں لد گئے۔ اُس میں ایک بہت بڑی ترپال پڑی ہوئی تھی۔ اُنھوں نے اُس میں گھُس کر اپنے آپ کو پورا پورا ڈھانپ لیا۔ مُنّو کہنے لگا۔ "اللہ میاں کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اِن درندوں سے نجات ملی۔ ورنہ آج

تو اُنھوں نے ہماری ہڈّی پسلی ایک کر دی ہوتی۔"

"شش شش۔ کوئی آ رہا ہے۔" سمّی نے آہستہ سے کہا۔

پھر چند قدموں کی آواز آئی جو ٹرک کے دروازے کے پاس آ کر رُک گئے۔ اُن کے رُکتے ہی دروازہ کھُلا اور پھٹ سے بند ہوا۔ انجن گھوما اور ٹرک چلنے لگا۔

بچّوں نے ترپال میں سے جھانکا تو کیا دیکھتے ہیں کہ ایک شخص ٹرک کے پیچھے پیچھے بھاگ بھاگ کر شور مچا رہا تھا۔ "ارے پکڑنا، پکڑنا۔ چور چور۔ جانے نہ پائیں۔"

ہولے ہولے آوازیں مدّھم ہوتے ہوتے سُنائی دینا بند ہو گئی اور جب ٹرک ایک سینما کے پاس سے گزُرا تو اُس کی تیز روشنیوں میں سمّی ڈرائیور کا

چہرہ دیکھ کر پیلا پڑ گیا۔ "ارے مر گئے۔ یہ تو وُڈّو ہے۔" اُس نے مری ہوئی آواز میں کہا۔

یہ سُن کر نِیلو کہنے لگی۔ "اللہ کرے انہوں نے ہمیں نے دیکھا ہو۔"

مُنّو نے کہا۔ "وہ ہمیں بھلا کیسے دیکھتے۔ وہ تو ایسے اُٹھ بھاگے جیسے گدھے کے سر سے سینگ اور مزے کی بات یہ ہے کہ ہیرے بھی اُن کے ہاتھ نہیں لگے۔"

نِیلو نے پوچھا۔ "تمہیں کیسے معلوم ہوا کہ وہ ہیروں کو وہیں چھوڑ آئے ہیں؟"

"میں پیچھے جو رہ گیا تھا۔ اُف میرے اللہ، چھینک چھینک کر تو ان کے سر بھُنّا گئے ہوں گے اور آنکھوں اور ناک سے پانی بہتا ہوا تو میں نے بھی

دیکھا تھا۔"

سمّی مُسکرانے لگا۔ "بھئی تمہیں مسالے کی خُوب سُوجھی۔"

اتنے میں ٹرک کو ایک زور دار جھٹکا لگا۔ تینوں ایک دوسرے کے اوپر گر پڑے۔ وُدّو اندھا دُھند ٹرک چلا رہا تھا۔ ٹریفک کی لال پیلی اور سُرخ روشنیوں کی بھی اُسے پروانہ تھی۔ وہ پولیس کی سِیٹیوں اور لوگوں کی دُہائی کو سُنی اَن سُنی کر کے ٹرک کو بھگائے لے چلا جا رہا تھا۔ اس تیز رفتاری کو دیکھ کر بُنڈُو بھی گھبرا گیا اس نے کھڑکی سے سر نکال کر باہر جھانکا اور بولا۔ "ارے وُدّو پولیس پیچھا کر رہی ہے۔"

اس کا یہ کہنا تھا کہ ٹرک ہوا سے باتیں کرنے گا۔ آگے چل کر وُدّو نے اُسے سنسان سے راستے پر ڈالنے کے لیے موڑا تو سامنے شہتیروں کے ڈھیر

سے ایسا ٹکرایا جیسے زلزلہ آگیا ہو۔ سب انجر پنجر ہِل گئے۔ یہ حالت دیکھ کر
بُنڈُو اور رُوڈّو دُم دبا کر بھاگے۔ بچّوں نے اُنہیں بھاگتے دیکھا تو وہ بھی باہر
آ گئے۔ اُن کا حال بُرا ہو رہا تھا۔

نِیلو نے جیب سے رومال نکال کر منہ صاف کیا اور کپڑے پھاڑنے لگی۔
لیکن لڑکوں کو کپڑوں سے زیادہ جگہ پہچاننے کی فکر تھی۔ ابھی وہ اِدھر اُدھر
غور سے دیکھ رہے تھے کہ سمّی بول اُٹھا۔ "دیکھنا وہ بورڈ۔" دائیں طرف
ایک دُکان تھی اُس کی دیوار پر بورڈ لگا ہوا تھا۔ جس پر لکھا تھا :

ننھّے میاں اور بھائی

سیمنٹ، اینٹیں، چونا وغیرہ بازار سے بارعایت خریدیے۔

"پہچان لیا نا نِیلو، یہ تو ہمارے ہمسائے ہیں۔ اُس کا مطلب یہ ہے کہ ہم

اپنے گھر کے نزدیک پہنچ گئے ہیں۔"

وہ ذرا آگے بڑھے تو سمّی کہنے لگا۔ "ارے یہ تو ننھے میاں کا احاطہ ہے اور وہ جو پگڈنڈی ہے نا، وہ ہمارے باغ کی دیوار کے ساتھ ساتھ جاتی ہے۔ لو آؤ، اُس پر ہو لیں۔"

آگے ایک جنگل تھا۔ لڑکے تو اُسے پھاند گئے مگر نیلو رُک گئی۔ یہ دیکھ کر سمّی نے اُسے سہارا دیا اور نیلو دوسری طرف اُتر گئی۔ مگر اُس چڑھنے اترنے میں اُس کا رومال زمین پر گر پڑا۔ چونکہ تینوں جلدی گھر پہنچنا چاہتے تھے اِس لیے کسی نے اِس کا خیال نہ کیا۔ وہ جس طرح بنگلے سے باہر نکلے تھے اُسی طرح چھُپ چھُپاتے اندر داخل ہوئے اور اپنے اپنے بستروں میں دُبک گئے۔

ہیرے کہاں ہیں؟

صُبح جب کپتان صاحب دفتر جانے لگے تو بیگم سے بولے۔ ”بچّے بندر گاہ کی سیر کے لیے ضِد کر رہے ہیں۔ کہو تو اُنھیں ساتھ لے جاؤں؟“

”اچھّا ہے جو یہ گھر میں ہی رہیں۔ آپ نے بھی دیکھا تھا انھیں۔ کس قدر تھکے ماندے نظر آتے ہیں۔ خُدا جانے رات کو سوئے بھی ہیں کہ نہیں۔ آپ جائیں، اُنھیں رہنے دیں یہیں۔“

اتنے میں دروازے کی گھنٹی بجی۔ بیگم بولیں : "میں نے کہا ذرا دیکھیے دروازے پر کون ہے؟ کم بخت کانوں کو بہرا کرنے کے ارادے سے آیا ہے جو اِس زور کی گھنٹی بجائی ہے اُس نے۔"

اوپر کے کمرے میں مُنّو اور سمّی آپس میں باتیں کر رہے تھے۔ مُنّو کہہ رہا تھا۔ "سچ کہتا ہوں میرا جی نہیں چاہتا بندرگاہ جانے کو۔"

"صاف کیوں نہیں کہتے کہ ڈر گئے ہو۔" سمّی بولا۔

ابھی وہ باتیں کر ہی رہے تھے کہ نِیلو دروازہ کھول کر کھٹ سے اندر آ گئی اور گھبرا کر بولی۔ "ایک سپاہی آیا ہے۔"

"آیا ہے تو آنے دو۔ مگر وہ کہتا کیا ہے؟"

نِیلو نے کہا۔ "میں کیا جانوں۔ میں نے تو جب اُسے غُسل خانے میں سے

دیکھا تو میرا دل دھک سے رہ گیا۔ کہیں اُسے رات کی بات کا تو پتا نہیں چل گیا؟"

"چل بھی گیا تو وہ ہمارا کیا کرلے گا۔" سمّی نے کہا۔

"میں کہتی ہوں کہیں وہ ہمیں حوالات میں نہ بند کر دے۔"

"پگلی ہو۔ ہم نے کوئی ڈاکا مارا ہے جو ہمیں حوالات میں بند کرے گا۔ چلو مُنّو۔ چل کر معلوم کریں وہ کیا کہتا ہے۔"

وہ تینوں نیچے گئے اور کان لگا کر سپاہی کی گفتگو سُننے لگے۔ سپاہی برآمدے میں کھڑا کپتان صاحب سے کہہ رہا تھا۔ "جناب عالی! ایک ٹرک چوری ہو گیا تھا۔ مگر رات کو چور اُسے ننّھے میاں کے احاطے میں چھوڑ گئے ہیں۔ اُس کے پاس ہمیں یہ نیلا رومال پڑا ملا ہے۔ کیونکہ اِس پر آپ کے دھوبی کا

نشان ہے۔ اِس لیے آپ کے پاس حاضر ہوا ہوں۔“

کپتان صاحب نے رومال ہاتھ میں پکڑ لیا۔ کُچھ دیر اُسے اُلٹ پلٹ کر دیکھتے رہے۔ پھر کہنے لگے۔ ”اس پر ’ن‘ کڑھا ہوا ہے۔ معلوم ہوتا ہے میری بچّی نِیلو کا ہے۔“

سپاہی نے فوراً اپنی نوٹ بک اور پنسل نکالی اور ”جی جناب“ کہہ کر لکھنے کے لیے تیّار ہو رہا تھا کہ کپتان صاحب بولے:

”لیکن میں کہتا ہوں کہ وہ رات کو باہر کیسے جا سکتی تھی اور اُسے اِس ٹرک سے بھلا کیا تعلّق ہو سکتا ہے جو ننھّے میاں کے احاطے میں کھڑا ہے۔“

”ہو سکتا ہے کل دِن میں کسی وقت بی بی جی کی جیب میں سے ِگر پڑا ہو۔ سپاہی نے بڑے ادب کہا اور نوٹ بُک اور پنسل جیب میں رکھ لی۔ پھر

بولا۔ "مُجھے افسوس ہے کہ میں نے ناحق آپ کو تکلیف دی۔" یہ کہہ کر وہ چلا گیا۔

سپاہی کے جانے کے بعد بچّوں نے شُکر کا کلمہ پڑھا اور بندرگاہ کو چلنے کی ٹھان کر کپتان صاحب کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ کپتان صاحب نِیلو کو دیکھ کر بولے۔ "اپنے کپڑے ذرا دھیان سے رکھا کیجیے۔ یہ دیکھیے آپ کا رُومال جانے کہاں سے اُڑتا اُڑاتا ہے پاس آ پہنچا ہے۔"

نِیلو نے کپتان صاحب کے ہاتھ سے رومال لے کر خاموشی سے جیب میں رکھ لیا۔ سمّی بولا۔ "آپ نے وعدہ کیا تھا کہ۔۔۔۔"

"ہاں ہاں مُجھے اپنا وعدہ یاد ہے۔ مگر ایک بات یاد رکھو جہاں مرضی چاہے گھومنا پھرنا لیکن تمہاری شرارت کی کوئی شکایت میرے پاس نہ آنے

پائے۔ بس۔ اور ہاں نیلو گھر پر ہی رہے گی۔ اُس کی اُستانی کا فون آیا تھا کہ وہ دوپہر کو آرہی ہے۔"

*****

سُلطان شپنگ کمپنی کا منیجر احسن اپنے دفتر میں جلا بھُنا بیٹھا تھا اور کسی شخص پر بُری طرح برس رہا تھا جو اُسے ٹرک کی چوری کی اطلاع دینے آیا تھا۔

"اور تُم کہہ رہے ہو کہ ٹرک میں چند بچّے بیٹھے ہوئے تھے؟"

"جی حضور، اور حضور مُجھے تو یوں خیال پڑتا ہے کہ بچّے اپنے کپتان جعفر صاحب کے تھے۔"

"ہونہہ، سارے بچّے انہی کے تھے؟"

"جی حضور، مگر اُن کے تو دو ہی بچّے ہیں اور مُجھے تین نظر آئے تھے۔

تیسرا حضور میرا خیال ہے مُنّو تھا۔"

"مُنّو کون ہے؟"

"مُنّو کلّن کا بھانجا ہے اور کپتان صاحب کے گھر رہتا ہے۔" اُس نے کہا۔

"مگر کپتان صاحب نے تو مُجھ سے اِس کا ذکر نہیں کیا۔" یہ کہہ کر احسن کرسی پر بیٹھے بیٹھے اپنے خیالوں میں کھوگیا۔ پھر اچانک کڑک کر بولا۔ "اچھّا تو تُم جاؤ ڈرائیور، اس دفعہ ہم نے تمھیں معاف کیا۔"

جب ڈرائیور چلا گیا تو احسن اپنے مُنہ چڑھے سیکرٹری امامی سے کہنے لگا:

"مُجھے تو سب کُچھ گورکھ دھندا معلوم ہوتا ہے۔ میری سمجھ میں کُچھ نہیں آتا۔ تمھی کُچھ کہو۔"

”جناب، میں تو ایک ہی بات جانتا ہوں اور وہ یہ کہ اِن بچّوں کو کسی طرح پتا چل گیا ہے کہ ہیرے کہاں چھپائے گئے ہیں۔“

”اور تُم یہ بھی کہہ رہے تھے کہ کوئی سپاہی بھی گیا تھا جعفر صاحب کے ہاں۔“

”جی ہاں۔ آج صُبح میں دفتر آ رہا تھا تو کیا دیکھتا ہوں کہ ایک سپاہی جعفر صاحب کے دروازے پر کھڑا دستک کی گھنٹی بجا رہا ہے۔“

احسن کُرسی سے اُٹھ کھڑا ہوا اور پتلون کی جیبوں میں ہاتھ ڈال کر ٹہلتے ہوئے کہنے لگا:

”عجیب عجیب قصّے سُن رہے ہیں ہم۔ ابھی ابھی چوکیدار آیا تھا۔ وہ قسمیں کھا کھا کر کہتا تھا کہ اُس نے رات اپنی آنکھوں سے وُدّو اور بُندُو کو گودام

میں دیکھا تھا۔ اور وہ آئے بھی تھے چوری کی نیّت سے۔ اب یہ ڈرائیور کہہ رہا ہے کہ اُس نے ٹرک میں جعفر کے بچّوں کو دیکھا تھا۔ "سمجھ میں نہیں آتا۔"

"بات بالکل سیدھی سادی ہے۔ قصّہ یہ ہے کہ گودام میں کسی جگہ ہیرے چھپائے گئے ہیں اور وہ جگہ اُن کے عِلم میں ہے۔ وہ بار بار وہاں کے چکّر کاٹ رہے ہیں کہ موقع ملے تو ہیروں کو لے اُڑیں۔"

"لیکن کِن کے عِلم میں ہے وہ جگہ؟ میرا خیال ہے کہ دونوں ہی جانتے ہوں گے اُس جگہ کو۔ وُدّو بھی اور جعفر صاحب کے برخوردار بھی۔"

"جی جناب، جو بات آپ کہہ رہے ہیں وہی میرا دِل بھی کہہ رہا ہے۔ کیا یہ بہتر نہ ہوگا کہ میں اُن بچّوں کو اپنے دفتر میں بُلا لوں اور باتوں باتوں میں ٹوہ

لگانے کی کوشش کروں؟"

"اگر بچّوں نے کپتان صاحب سے کہہ دیا تو بات بڑھ جائے گی جناب۔ یہ سوچ لیجیے۔"

"سچ کہا تم نے۔ تو پھر یُوں کرو بہلا پھسلا کر مُنّو کو لے آؤ یہاں۔ مُجھے یقین ہے کہ اُس سے ہمیں بہت سی باتیں معلوم ہو جائیں گی۔۔۔۔"

*****

وُدّو اور بُندُو پولیس سے بچنے کے لیے سُنسان گلیوں اور ویران کوچوں میں بھاگے جا رہے تھے۔ جب اُنہیں یقین ہو گیا کہ پیچھا کرنے والے کی نظروں سے اوجھل ہو گئے ہیں تو درختوں کے ایک جھُنڈ میں گھُس گئے۔ وہ بھاگ بھاگ کر نڈھال ہو گئے تھے۔ وہیں ٹانگیں پسار کر سو گئے۔ بُندُو تو

خرّاٹے لے رہا تھا مگر وُدّو تھوڑا سا سو کر جاگ اُٹھا تھا۔ اُسے ایک نیا خیال سوجھا اور اُس نے بُنڈُو کے پیٹ میں زور سے کہنی مار کر اُسے بھی جگا دیا۔ وہ آنکھیں ملتے ہوئے کہنے لگا۔ "اب کِدھر چلنا ہے؟"

"گھر چلنا ہے پہلے۔" فوراً وُدّو نے کہا۔

"وہ تیز تیز قدم اُٹھاتے بڑی مارکیٹ میں پہنچ گئے جہاں اِتنی بھیڑ تھی کہ چاروں طرف سر ہی سر نظر آتے تھے۔ اتنے میں وُدّو نے ایک بُوڑھے ملّاح کو دیکھا جو ایک طرف دیوار سے پیٹھ لگائے بیٹھا تھا۔ دیوار پر ایک نوٹ لگا ہوا تھا جسے ایک بُڑھیا بڑے غور سے پڑھ رہی تھی۔ وُدّو نے بُوڑھے کی بائیں جو سُنیں تو وہیں ٹھٹک کر رہ گیا اور دیوار سے لگ کر کان کھڑے کر دیے۔ بُوڑھا کہہ رہا تھا۔

"جی ہاں بی بی، میں نے خود اُسے سمندر میں سے نکالا تھا۔ اور اپنے عمر بھر کے تجربے کی بنا پر کہہ سکتا ہوں کہ نہ اُس کے پیچ کَس لگا تھا نہ کوئی اوزار۔ کسی نے اُس کا سر زور سے دیوار پر دے مارا تھا اور پھر اُسے سمندر میں پھینک دیا تھا۔"

عورت کہنے لگی۔ "ہائے ہائے اللہ، ہاتھ ٹوٹ جائیں اُن ظالموں کے۔" اُس کی آنکھیں خوف سے پھٹی ہوئی تھیں اور ہاتھ کپکپا رہے تھے۔

"اب اُس کی لاش پولیس کے قبضے میں ہے۔" بُوڑھا بولا۔ "اور پولیس تو آپ جانیں مِنٹوں میں کھوج لگا لیتی ہے۔ اُس کے ہاتھ سے کوئی نہیں بچتا۔۔۔۔"

وُدّو کو اور زیادہ سُننے کی تاب نہ رہی۔ وہ جلدی سے بُندُو سے جا ملا جو دُور

کھڑا اُس کا انتظار کر رہا تھا۔

"سُنا تُم نے بُندُو! لُلّو کی لاش مل گئی ہے۔"

"ارے!" گھبراہٹ میں بُندُو کے مُنہ سے نکلا۔ "مگر تمہیں کیسے معلوم ہوا؟"

"وہاں دیوار پر پولیس کا نوٹس لگا ہے اور اِس کے علاوہ ایک بُوڑھا بھی بک بک کر رہا تھا۔ اُس کا کہنا ہے کہ اُسی نے لُلّو کو پانی سے باہر نکالا ہے۔"

*****

مدّت کے بعد آج پھر کلّن اور جُمّن ہاسٹل میں اکٹھے بیٹھے باتیں کر رہے تھے۔ مگر تھے بڑے فکر مند۔ کلّن بیگ میں اپنی چیزیں رکھ رہا تھا اور ساتھ ہی ساتھ جُمّن کو شُبہے کی نظروں سے تکتا جا رہا تھا۔ جُمّن نے اُسے مصروف

دیکھ کر کہا۔

"یار کلّن، یہ ہیرے تو جان کا جنجال بن گئے ہیں۔ کتنا اچھّا ہو جو اِس جہاز کو چھوڑیں اور کسی دوسری جگہ چل کر روزی کا سامان کریں۔"

"جانے کو تو اِسی وقت چلا جاؤں مگر مجھے مُنّو کی فکر مارے دیتی ہے۔"

"ارے وہ تو بڑے آرام سے کپتان صاحب کے یہاں بیٹھا ہوا ہے۔ اور تُم کہہ رہے ہو مُجھے اُس کی فکر مارے دیتی ہے۔"

"اور یہ وُدّو اور بُندُو جو اُس کے پیچھے لٹھ لیے پھر رہے ہیں اور یہ جو تُم کپتان صاحب کی کہہ رہے ہو تو بھئی اِن لوگوں کا کیا بھروسا۔ کل ہی نکال باہر کریں اُسے۔"

یہ کہہ کر اُس نے بیگ کی ساری چیزوں کو میز پر پلٹ دیا اور خود سوچ میں پڑ

گیا۔

"تو مُنّوکو بھی کیوں نہ اپنے ساتھ ہی لے جائیں؟"

"تم نے تو میرے دِل کی کہہ دی ہے۔ میرا خیال ہے کہ آج رات میں کپتان صاحب کے ہاں جاکر مُنّوکو لے آؤں۔ اِسی لیے میں اپنی نئی پتلون اور صدری ڈھونڈ رہا ہوں؟"

اُدھر بُندُو اور وُدّو ہاسٹل کی سیڑھیاں اُتر رہے تھے۔ وُدّو بُندُو سے کہہ رہا تھا۔ "ذرا دیکھنا تو کمرے میں کون ہے؟"

بُندُو نے اندر جھانک کر کہا۔ "وہی ہیں اور کون ہو گا بھلا۔ میں کہتا ہوں وُدّو۔ اُنھیں غائب ہی کیوں نہیں کر دیتے تُم؟"

"گھبراتے کیوں ہو۔ ایسی تدبیر سوجھی ہے مجُھے کہ تینوں کا ایک ہی دفعہ

صفایا نہ کردوں تو وُدّو نام نہیں۔ پھر بعد میں اُن سے بھی دو دو ہاتھ ہو جائیں گے۔"

"چلو قاضی کے ہاں چلتے ہیں۔ وہاں بیٹھ کر اطمینان سے باتیں کریں گے۔" بُنڈو بولا۔

جب وہ باتیں کرتے کرتے اندر آئے تو کلّن اور جُمّن غسل خانے سے نہا دھو کر آ رہے تھے۔ وُدّو اور کلّن کی آنکھیں چار ہوئیں تو معلوم ہوا جیسے دونوں ایک دوسرے کو آنکھوں ہی آنکھوں میں کچّا چبا جانا چاہتے ہیں۔ وُدّو کلّن کے پاس سے گُزر کر پچھواڑے کی طرف چلا گیا اور اشارے سے بُنڈو کو بھی بُلا لیا۔

میدان صاف دیکھ کر جُمّن بولا۔ "جب دیکھو اِن خبیثوں کو اکٹھے ہی دیکھو۔"

"چھوڑو اِن کے ذکر کو۔" کلّن بولا۔ "اگر تمہیں میرے ساتھ چلنا ہے تو صاف سُتھرے کپڑے پہن کر آجاؤ۔ میں تمہارا انتظار کرتا ہوں۔"

*****

"لو بھئی، تُم سیر سپاٹے کرو اور میں دفتر میں کام کروں۔ لیکن آدھ گھنٹے کے اندر اندر لوٹ آنا، اور دیکھو، کوئی شرارت نہ ہونے پائے۔" کپتان صاحب دونوں لڑکوں سے بولے۔

"بہت اچھّا۔" سمّی نے کہا۔ "اگر ہم گودام کی طرف چلے جائیں تو آپ خفا تو نہ ہوں گے؟ مُنّو گودام دیکھنے کا بہت شوق ہے۔"

"ہو آؤ لیکن زیادہ دیر نہ ہو ورنہ امّی خفا ہوں گی۔" کپتان صاحب بولے۔

دونوں لڑکے ٹہلتے ٹہلتے جہاز کے جنگلے کے قریب آ گئے اور اُس کے ساتھ

ٹیک لگا کر باتیں کرنے لگے۔

"اب کیا ارادہ ہے؟" مُنّو نے آہستہ سے کہا۔

"چلو، گودام میں چلتے ہیں۔ شاید کوئی تدبیر نکل آئے اس کریٹ کو ایک نظر دیکھ لینے کی؟"

"تو چلو پھر لپک کر ہو آئیں۔" مُنّو نے کہا۔ "مگر وہ کون ہے؟ وہ سامنے۔ بہت دیر سے کھڑا ہمیں گھور رہا ہے؟"

"وہ؟ وہ تو احسن صاحب کے دفتر کا آدمی ہے اور امامی نام ہے اُس کا۔"

"اور احسن صاحب کون ہیں؟" مُنّو نے پوچھا۔ اُس کی نظریں امامی پر جمی ہوئی تھیں۔ "احسن صاحب جہاز کی کمپنی کے منیجر ہیں۔"

امامی ہولے ہولے قدم اُٹھاتا ہوا اُن کے پاس آگیا اور مسکرا کر بولا۔ "کہو سمّی میاں، خیریت سے ہونا اور میں جانوں یہ لڑکا شاید کلّن کا بھانجا ہے۔ ٹھیک ہے نا؟"

سمّی نے مُسکراتے ہوئے کہا۔ "جی! یہ کلّن کا بھانجا ہی ہے۔"

امامی نے مُنّو سے کہا۔ "تمہیں احسن بُلایا ہے۔ وہ اپنے دفتر میں بیٹھے تمہارا انتظار کررہے ہیں۔"

مگر میں تو اُنہیں جانتا بھی نہیں۔" یہ کہہ کر مُنّو نے ایک اُچٹتی ہوئی نظر سمّی پر ڈالی۔ اُس پر سمّی بولا۔ "کُچھ تمہارے بھلے کی سوچی ہوگی جو تمہیں یاد کیا ہے۔ بے کھٹکے چلے جاؤ اور رہاں دیکھو اگر میں یہاں موجود نہ ہوں تو سیدھے گھر چلے جانا۔"

مُنّو تھوڑی دُور چلا ہو گا کہ اُس کے دِل میں طرح طرح کے خیال آنے لگے۔ اُس کا جی چاہتا تھا کہ بھاگ اُٹھے۔ مگر امامی اُس کے پیچھے تھا اور اُس سے بچ نکلنا آسان نہیں تھا۔ جب وہ دفتر کے قریب پہنچے تو دروازے کے باہر ایک دراز قد آدمی کھڑا تھا جس نے مُسکرا کر مصافحے کے لیے ہاتھ بڑھایا اور بولا:

"آؤ میاں مُنّو۔ آجاؤ اندر۔" وہ خود ایک طرف ہٹ گیا اور امامی کو اِشارے سے دفتر کے بغلی کمرے میں جانے کو کہا۔

"بیٹھ جاؤ بیٹے، اِس کرسی پر۔" احسن نے سامنے کی کرسی کی طرف اشارہ کیا۔ "تُم تو بڑے تمیز دار بچّے معلوم ہوتے ہو۔ کیا نام ہے بھئی تمہارا؟"

"جناب مُجھے مُنّو کہتے ہیں۔"

"بہت خوب۔ تُم ذرا میرے پاس آ جاؤ شاباش۔ یُوں۔ اچھّا تو یہ بتاؤ تمھیں ہم جہاز پر نوکر رکھ لیں تو؟"

احسن کی میٹھی میٹھی باتوں نے مُنّو کا دِل موہ لیا اور وہ خوش ہو کر کہنے لگا۔

"جناب، میں جہاز کا کپتان بننا چاہتا ہوں۔"

"بہت خوب۔ ہم تمھیں کپتان بنانے کی پوری کوشش کریں گے۔ یہ کہہ کر وہ اپنا مُنہ مُنّو کے کان کے قریب لے آیا جیسے کوئی راز کی بات کہنا چاہتا ہو۔ "مگر مُنّو، ایک کام ہمارا بھی کرنا ہو گا تمھیں۔"

مُنّو کا چہرہ خوشی سے چمک اُٹھا۔ "جی حضور میں ہر خدمت کے لیے تیّار ہوں۔"

"تو مُجھے یہ بتاؤ کہ جہاز میں کیا بات ہوئی تھی؟"

مُنّو گھبرا سا گیا۔ "میں تو حضور اکثر سویا رہتا تھا جہاز میں۔ مُجھے تو کُچھ معلوم نہیں کہ کیا بات ہوئی تھی۔"

اب احسن نے ذرا رُعب سے کہا۔ "تمھیں معلوم ہے۔ ضرور معلوم ہے۔ اچھّا یہ بتاؤ کہ آج صُبح جعفر صاحب کے یہاں ایک سپاہی آیا تھا۔ وہ کیوں آیا تھا؟"

"وہ سپاہی تو حضور نیلو بی بی کا رومال لے کر آیا تھا۔ اور پھر اُس نے کپتان صاحب سے کہا تھا کہ مُجھے افسوس ہے کہ میں نے آپ کو ناحق تکلیف دی۔۔۔۔"

"نہیں۔ اُس کے آنے کا مطلب کُچھ اور تھا۔ اگر تمھیں نہیں معلوم تو میں بتائے دیتا ہوں کہ اُس وقت کپتان صاحب خطروں میں گھرے ہوئے

ہیں اور کوئی ایسا شخص موجود نہیں ہے جو انہیں بچا سکے۔"

یہ سُن کر مُنّو کا سر چکرا گیا۔ وہ تڑپ کر پوچھنے لگا۔ "کپتان صاحب تو فرشتہ ہیں۔ اُنہیں کیا خطرہ ہو سکتا ہے؟ خُدا کے لیے جلد بتائیے۔"

"ان کے پاس چوری کا مال ہے۔ وہی ہیرے۔" احسن ایک ایک لفظ پر زور دے رہا تھا۔

"وہی ہیرے جو کریٹ میں بند ہیں۔" مُنّو نے جلدی سے کہا۔

"ہاں ہاں۔ وہی۔ اِس آڑے وقت میں ہم سب کا فرض ہے کہ اُن کی مدد کریں اور اُن کی مدد ہے کہ ہیروں کو چھُپی ہوئی جگہ سے نکال کر اُن کے مالکوں تک پہنچا دیا جائے۔ اِس سلسلے میں تُم اُن کی مدد کر سکتے ہو۔"

"میں کپتان صاحب کی مدد کے لیے اپنی جان بھی دے دوں گا حضور۔"

"شاباش۔ تواب بتاؤکہ وہ ہیرے کہاں ہیں؟"

مُنّوفرفر بول رہا تھا۔ حضور وہ ایک کریٹ میں بند ہیں۔ اِس کریٹ میں کُب ہے جس سے آپ فوراً پہچان لیں گے کہ یہی ہیروں والا کریٹ ہے۔ وہ ابھی تک گودام میں پڑا ہوا ہے۔ ہم نے اُسے کل رات دیکھا تھا وہاں۔"

"اچھا، اب یہ بتاؤکہ تمہارے سِوا یہ بات اور کِسے معلُوم ہے؟"

"سمّی، ماموں کلّن، بُنڈُو اور وُدّو کو بھی معلوم ہے۔"

"اچھا اب تُم جاؤ۔ لیکن جو باتیں میرے اور تمہارے درمیان ہوئی ہیں، خبردار، اُن کا کسی سے ذکر نہ کرنا۔ وعدہ کرتے ہو؟"

"میں وعدہ کرتا ہوں حضور۔ مگر آپ بھی وعدہ کرتے ہیں نا کہ آپ کپتان صاحب اور ماموں کلّن کو کوئی نقصان نہیں پہنچنے دیں گے؟"

احسن نے کہا۔ "میں بھی وعدہ کرتا ہوں۔ اچھا، اب تُم جاؤ۔"

مُنّو کے جانے کے بعد احسن نے دفتر کا دروازہ بند کر دیا اور امامی کو بُلا کر کہنے لگا۔ "تُم نے باتیں سُن لی ہیں۔ اب تم جانو اور تمہارا کام۔ لیکن اتنا میں کہے دیتا ہوں کہ اگر ایک منٹ بھی ضائع کیا تو سارا کیا دھرا خاک میں مل جائے گا۔ اور ہاں خبیث بُندُو اور رُوڈّو تمہیں ملیں تو مُجھے فوراً اطلاع کر دینا۔ اِن نمک حراموں سے میں اچھّی طرح بھُگتوں گا۔"

*****

سمّی سب سے پہلے گھر پہنچا۔ بیگم صاحبہ اسے دیکھتے ہی پوچھنے لگیں۔ "نِیلو تو نہیں ملی تمہیں سمّی۔"

"نہیں تو امّی۔"

"ہائے ہائے۔ جانے کِدھر چلی گئی ہے وہ۔ کوئی دو گھنٹے ہوئے بیٹھی کتاب پڑھ رہی تھی۔ پھر جو آئی ہوں اُسے دیکھنے تو وہ غائب۔"

"مُمکن ہے اپنی سہیلیوں کے ہاں گئی ہو؟"

"نہ بیٹے۔ وہاں بھی نہیں ہے وہ۔ اگر کہیں جاتی بھی تو مُجھ پوچھ کر جاتی۔"

"امّی آپ پریشان نہ ہوں۔ آ جائے گی۔ مُنّو آ گیا ہے؟"

"وہ بھی نہیں آیا ابھی تک۔ یہ اور مُصیبت۔ صُبح بیسیوں بار اُس کا ماموں کلّن ٹیلی فون کر چکا ہے۔ گھنٹی بجی، وہی ہو گا۔" یہ کہہ کر اُنہوں نے ریسیور اُٹھایا اور بولیں۔ "میں بول رہی ہوں بیگم جعفر۔۔۔ جی نہیں۔ ابھی تک تو لوٹ کر نہیں آیا۔ اور سُنو۔ کہیں تُم نے نِیلو کو تو نہیں دیکھا۔۔۔ دو گھنٹے سے غائب ہے وہ۔۔۔ اچھّا سلامُ علیکم۔"

وہ ٹیلی فون سے فارغ ہو کر دوسرے کمرے میں چلی گئیں اور سمّی اکیلا رہ گیا۔ اچانک دروازہ کھُلا اور مُنّو اندر آیا۔ اُس نے سمّی کے ہاتھ میں ایک کاغذ تھما دیا اور بولا۔ "یہ دیکھیے تو یہ رقعہ کِس کا ہے؟"

سمّی نے رقعے کو ایک نظر دیکھا۔ پھر اُسے اُلٹ پلٹ کر دیکھتے ہوئے مُنّو سے پوچھنے لگا۔ "تمہیں یہ کہاں سے ملا؟"

"میں جب پھاٹک کے قریب پہنچا ہوں تو ایک لڑکا بھاگا بھاگا آیا اور پوچھنے لگا کہ میں یہاں رہتا ہوں؟ جب میں نے ہاں میں جواب دیا تو وہ میرے ہاتھوں میں یہ رقعہ تھما کر بھاگ گیا۔"

"ہونہہ۔ رُقعے میں لکھا ہے کہ تم دونوں فوراً جل کٹورا روڈ کے نُکّڑ پر پہنچ جاؤ۔ کسی سے نہ کہنا۔ ماموں کلّن بھی یہیں ہیں۔ بہت ضروری بات

ہے۔ فوراً آ جاؤ۔"

"کیا مطلب؟" مُنّو نے بے چین ہو کر پوچھا۔

"مطلب کُچھ بھی ہو، ایک بات میں یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ یہ رقعہ نِیلو کا لکھا ہوا نہیں ہے۔"

"تو پھر کون ہے جس نے یہ رقعہ لکھا ہے۔"

"بکواس۔ ابھی ابھی امّی کو کلّن کا ٹیلی فون آیا تھا اور امّی نے اُن سے نِیلو کے بارے میں پوچھا۔ اگر تمہارے ماموں کو نِیلو کا پتا ہوتا تو وہ ضرور اُنہیں بتاتے۔"

"تو پھر فوراً ہمیں کُچھ نہ کُچھ کرنا چاہیے۔ یہ جل کٹورا روڈ کتنی دور ہے یہاں سے؟" مُنّو نے پوچھا۔

"کوئی دس منٹ کا راستا ہو گا۔" سمّی نے کہا۔

"تو آؤ چلیں۔ دیکھیں یہ کیا گورکھ دھندا ہے؟" مُنّو جلدی سے بولا اور دونوں کوٹھی سے باہر نکل کر سڑک پر آ گئے۔

سازش کا جال

قاضی کا ہوٹل دنیا بھر کے اُٹھائی گیروں اور لفنگوں کا اڈّا تھا۔ شریف آدمی تو اُس کے نزدیک پھٹکتے بھی نہیں تھے۔ قاضی ایک بڑی سی پیڑھی پر بیٹھا رہتا تھا۔ اُسے اخبار پڑھنے کا بہت شوق تھا اور اپنے اَن پڑھ گاہکوں کو مطلب کی خبریں سُنایا کرتا تھا۔

دوپہر کا وقت تھا اور قاضی پیڑھی پر بیٹھا ہوا اخبار پڑھ رہا تھا۔ اِتنے میں دروازہ کھُلا، دو ہٹّے کٹّے آدمی مُنّو اور سمّی کو دھکیلتے ہوئے اندر لائے۔

اُنہیں کھینچتے ہوئے اوپر لے گئے اور چھوٹے سے چوبارے میں بند کر کے باہر سے تالا ڈال دیا۔ اس وقت رحمت نام کا ایک ملّاح کونے میں بیٹھا چائے پی رہا تھا۔ جب اُس نے یہ تماشا دیکھا تو اُس کا جی چاہا کہ بچّوں کی مدد کرے۔ مگر آدمی تھا سمجھ دار۔ اکیلا اُن دو سے کیسے نپٹ سکتا تھا۔ چائے پی کر چُپکے سے باہر چلا گیا۔

جب چاروں طرف خاموشی چھا گئی تو مُنّو اور سمّی نے ایک دوسرے کو بے بسی سے دیکھا۔ کھینچا تانی اور دھینگا مُشتی میں اُن کے کپڑے پھٹ گئے تھے اور جسموں پر جا بجا خراشیں آئی تھیں۔ مگر اُنہیں کپڑوں اور خراشوں سے زیادہ باہر نکلنے کی فکر تھی۔ وہ غور سے اِدھر اُدھر دیکھ رہے تھے کہ کوئی بھاگ جانے کی راہ ملے، بے سود۔ چوبارے میں لے دے کے صرف ایک روشن دان تھا اور وہ بھی بہت اونچا۔ اُس سے مدھم سی

روشنی اندر آ رہی تھی۔ اچانک ایک کونے میں سے کوئی چیز اپنی جانب آتی دکھائی دی۔ اُنہوں نے اُسے غور سے دیکھا تو خوشی سے چیخ اُٹھے۔

"اری نِیلو! تُم یہاں کہاں؟"

نِیلو جب ذرا سنبھلی تو کہنے لگی۔ "وہ جو بدمعاش ہیں نا۔ وہی بُنڈو اور وُدّو، اُنہوں نے مُجھے کار میں ڈالا اور یہاں لاکر بند کر دیا۔"

"لیکن تُم باہر کیوں نکلی تھیں؟" سمّی نے کہا۔

نِیلو نے اپنے بھائی کو گھور کر دیکھتے ہوئے کہا۔ "تو کیا وہ رُقعہ تُم نے نہیں بھیجا تھا مُجھے؟"

"کون سا رُقعہ؟ میں نے تمہیں کوئی رُقعہ نہیں بھیجا۔"

"خیر، میں نے تو یہی سمجھا تھا کہ تُم نے لکھا ہے۔ میں کتاب پڑھ کے اُٹھی

تو دروازے کی درز میں ایک کاغذ دیکھا۔ کھول کر پڑھا تو لکھا تھا اِس رقعے کو دیکھتے ہی جل کٹورا روڈ کے نکڑّ پر پہنچ جاؤ۔ بہت ضروری کام ہے۔ میں نے کتاب وہیں چھوڑی اور بھاگم بھاگ وہاں پہنچ گئی اور پھر ان غُنڈوں کے ہتھّے چڑھ گئی۔"

"یہی چال ہم سے بھی چلی تھی اِن بد معاشوں نے، اچھا شکر ہے کہ تُم مل گئیں۔ اب سوال یہ ہے کہ یہاں سے نکلیں تو کیونکر؟ میں نے کہا مُنّو۔ اِس روشن دان کے متعلّق تمہارا کیا خیال ہے؟"

تینوں بچّے روشن دان کو غور سے دیکھنے لگے۔ کھُل تو جائے گا۔ مگر اِس تک پہنچیں کیسے؟" مُنّو نے کہا۔ "اچھّا سمّی، میں گھوڑا بنتا ہوں۔ تُم میری پیٹھ پر کھڑے ہو کر اُس تک پہنچنے کی کوشش کرو۔"

"نہیں، گھوڑا میں بنتا ہوں کہ میں تُم سے زیادہ مضبوط بھی ہوں اور لمبا بھی۔
لو کھڑے ہو جاؤ میری پیٹھ پر۔" سمّی نے کہا اور مُنّو اُس کی پیٹھ پر چڑھ گیا۔
مگر بہت زور مارنے پر بھی روشن دان تک نہ پہنچ سکا۔

وہ نیچے اُترا اور کہنے لگا۔ "یہ روشن دان میری پہنچ سے باہر ہے۔"

تینوں چُپ چاپ اور اُداس کھڑے تھے۔ پھر اچانک سمّی کو کُچھ یاد آیا۔
اُس نے کہا "میں بتانا بھول گیا کہ اب وہ ہیرے گودام میں نہیں ہیں۔ چند
لوگ ہیروں کے کریٹ کو لاری میں رکھ کر ریلوے کے مال گودام میں
لے گئے ہیں۔ جب وہ جا رہے تھے تو میں نے رکشا لیا اور اُن کے پیچھے
پیچھے ہو لیا اور اب مُجھے وہ جگہ معلوم ہے جہاں کریٹ پڑا ہوا ہے۔"

وُدّو چوبارے کے دروازے میں تالا ڈال کر نیچے آ گیا تھا اور اپنی کامیابی پر

بے حد خوش تھا مگر تقدیر اُس پر ہنس رہی تھی۔

*****

امامی تیز سمجھ بُوجھ کا آدمی تھا۔ ساری عُمر جہاز کی نوکری میں گئی تھی اور عملے کے ایک ایک آدمی کی نس نَس سے واقف تھا۔ ہر ایک کا ٹھور ٹھکانا اُس سے کوئی ڈھکی چھُپی بات نہیں تھی۔ اُسے معلوم کہ اِس وقت بُندُو اور وُدّو قاضی کے ہوٹل میں ہوں گے اور جب رحمت سے اُس کی مُڈ بھیڑ ہوئی تو اِس بات کی تصدیق بھی ہو گئی۔ مگر اُسے بُندُو اور دوا یسے حبشیوں سے ڈر لگتا تھا۔ اِس لیے وہاں اکیلا جاتے ہوئے گھبرا رہا تھا۔ وہ گودام کو سرسری نظر سے دیکھنے کے بعد سیدھا احسن کے دفتر میں گیا اور کہنے لگا۔

"ابھی ابھی مُجھے رحمت نامی ایک ملّاح کی زبانی معلوم ہوا ہے کہ بُندُو اور وُدّو نے بچّوں کو قاضی کے ہوٹل میں بند کر دیا ہے۔"

"خوب۔ تو اِس کا یہ مطلب ہوا کہ فی الحال ہمیں اُن سے نجات مل گئی ہے۔"

"جی، مگر وہ کریٹ بھی اب ہمارے گودام میں موجود نہیں ہے۔" امامی نے کہا۔

"ارے کہاں گیا وہ؟" احسن نے حیرت سے پُوچھا۔

"مُجھے نہیں معلوم۔ لیکن یہ بات میں قسم کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ اُن شطو نگڑوں میں سے کسی نہ کسی کو ضرور معلوم ہو گا کہ کریٹ کہاں لے جایا گیا ہے؟"

"تو پھر فوراً جاؤ اور اُن سے ملنے کی ترکیب کرو۔"

جانے کو تو میں اکیلا چلا جاؤں مگر میں اکیلا بُندُو اور وُدّو کا مُقابلہ نہیں کر

سکتا۔"

"تُم عقل مند آدمی ہو۔ مُجھے اُمّید ہے کہ تُم کوئی نہ کوئی راہ نکال لو گے۔"

احسن نے کہا۔

*****

کلّن بڑا عجیب سا آدمی تھا۔ کبھی تو ہزار سمجھانے بھی بات اُس کی سمجھ میں نہیں آتی تھی اور کبھی اُڑتی چڑیا کے پَر گن لیتا تھا۔ بیگم جعفر سے ٹیلی فون پر گفتگو کرنے کے بعد یہ وہم اُس کے دِل میں پتھرّ کی لکیر بن گیا تھا کہ ہو نہ ہو مُنّو اور نِیلو سے بُنڈُو اور رُوڈّو نے کوئی شرارت کی ہے ورنہ یہ ہو نہیں سکتا کہ دونوں کے دونوں یُوں غائب ہو جائیں اور کسی کو پتا تک نہ چلے۔ اُس نے اچانک جُمّن سے پوچھا کہ "تُم کُچھ قاضی کے بارے میں کہہ رہے تھے؟"

"جو کچھ سُنا تھا میں نے تمہیں بھی سُنا دیا تھا۔" جُمّن بولا۔

"مجھے یاد پڑتا ہے تُم نے کہا تھا بُنڈُو اور رُوڈّو قاضی کے یہاں جا رہے ہیں۔
پھر اللہ کا نام لے کر ہم بھی نہ چلیں وہیں؟"

"اور جو بُنڈُو اور رُوڈّو مل گئے وہاں تو؟"

"تم بھی پرلے درجے کے بُزدل ہو۔ اگر مل جائیں تو ملنے دو۔ ہم نے بھی تو
چوڑیاں نہیں پہن رکھیں ہاتھوں میں۔"

"لیکن وہاں جانے کا مطلب؟" جُمّن نے پوچھا۔

"دونوں بچّے وہیں ہیں۔" کلّن نے کہا۔

"تمہیں کیسے معلوم ہوا کہ وہ وہاں ہیں؟"

"میرا دِل اِس بات کی گواہی دے رہا ہے۔" کلّن نے کہا۔ "تم بُندُو وُدّو اور قاضی کو باتوں میں لگا لینا اور میں بچّوں کو وہاں سے نکالنے کی ترکیب لڑاؤں گا۔"

"باتوں میں لگا لینا۔ کیسی باتیں کر رہے ہو؟ گویا اُنہیں باتوں میں لگا لینا بچّوں کا کھیل ہوا۔ یہ کیوں نہیں کہتے کہ شیر کے پنجرے میں جا کر اُس کی مُونچھوں سے کھیلنا شروع کر دُوں؟ کوئی اور ترکیب سوچو۔" جُمّن بولا۔

"اور کوئی ترکیب سمجھ میں نہیں آتی۔ یہی سب سے اچھّی ترکیب ہے۔ چلو اُٹھو۔"

اور یہ کہہ کر کلّن جُمّن کو گھسیٹتے ہوئے باہر لے آیا اور دونوں قاضی کے ہوٹل کی طرف چل پڑے۔

جب جُمّن ہوٹل کے دروازے پر پہنچا تو اُس کے ہاتھ پاؤں کانپ رہے تھے ۔ لیکن وہ دِل مضبوط کر کے ہوٹل کے اندر داخل ہو گیا۔ جب دیکھا کہ کمرہ خالی پڑا ہے تو بہت خوش ہوا اور باہر آنے کو تھا کہ کسی نے پیچھے سے گردن دبالی : "جاتے کہاں ہو۔ اِدھر آؤ۔"

بُنڈو اُسے کھینچ کر ایک طرف لے گیا اور پوچھنے لگا۔ "کیوں آئے ہو یہاں تُم ؟"

"میں۔۔۔۔ میں۔۔۔۔۔" ڈر کے مارے جُمّن کے لب کانپ رہے تھے ۔

"بتاتے کیوں نہیں ہو کہ مُخبری کرنے آیا تھا۔" اتنے میں قاضی اور رُوڈّو بھی آ گئے ۔ قاضی تو اپنی پیڑھی پر جا بیٹھا اور رُوڈّو بڑے پیار سے بولا۔

"ارے جُمّن یار، بھئی خوب وقت پر آئے ہو تم۔ ہمیں تمہاری سخت ضرورت تھی۔ تمہیں شاید معلوم ہو گا کہ ہم نے تینوں شطونگڑوں کو چوبارے میں بند کر رکھا ہے اور اب اُنہیں ٹھکانے لگانے والے ہی ہیں۔ اِس سِلسلے میں ہمیں تمہاری امداد کی ضُرورت ہو گی۔ سمجھ گئے نا بات ہماری۔"

"صاف کیوں نہیں کہتے کہ تُم اُنہیں قتل کرنا چاہتے ہو؟" جُمّن نے یہ کہا اور دروازے کی طرف لپکا۔ مگر بُندُو نے اُسے وہیں جا دبوچا اور قاضی کے سامنے جا بٹھایا۔

"قاضی جی۔" وُدّو بولا۔ "اُس بے چارے کا دِل بہت کمزور ہے۔ ذرا چائے کی پیالی دینا اسے۔ مگر چائے تیز ہو تاکہ اُس کی گھبراہٹ دور ہو جائے۔ اوراِس پر تینوں کھِل کھلا کر ہنس پڑے۔

اس اثنا میں تینوں بچّے روشن دان تک پہنچنے کی سر توڑ کوشش کر رہے تھے مگر ہر بار ناکامی کا مُنہ دیکھنا پڑتا۔ چوبارے میں دو ٹوٹی پھُوٹی کُرسیاں پڑی تھیں۔ اُنھوں نے اُن کُرسیوں کو اُوپر تلے رکھا اور اُن پر نیلو کو سہارا دے کر کھڑا کر دیا۔ اُس نے بہتیرے ہاتھ پاؤں مارے مگر ہاتھ شہتیر تک جاتے جاتے رہ جاتا تھا۔ آخر وہ لڑکھڑا کر نیچے آ رہی اور تینوں پھر دماغ لڑانے میں مصروف ہو گئے تاکہ باہر نکلنے کے لیے کوئی اور ترکیب ہاتھ آ جائے۔

اتنے میں چھت پر ہلکا سا شور سُنائی دیا۔ ابھی تینوں روشن دان کی طرف ٹکٹکی لگائے دیکھ ہی رہے تھے کہ ماموں کلّن کے چہرے کی جھلک دِکھائی دی۔ مُنّو پُکار اُٹھا "ماموں۔۔۔" وہ فقرہ پورا نہ کرنے پایا تھا کہ چہرہ غائب ہو گیا اور کوئی پانچ منٹ کے بعد روشن دان کی لکڑیاں چٹخیں اور کلّن کے

مضبوط بازو روشن دان سے نکل کر بچّوں کی طرف بڑھے۔ سب سے پہلے نِیلو نے اُنہیں مضبوطی سے پکڑا اور ایک ہی جھٹکے میں وہ اُٹھ گئی۔ اس کے بعد سمّی کی باری آئی اور پھر مُنّو کی۔ جب تینوں چھت پر اکٹھّے ہو گئے تو خوشی سے اُن کے چہرے گلابی ہو رہے تھے۔

نِیلو کہنے لگی۔ "کلّن بھائی آپ کو یہ کیسے معلُوم ہُوا کہ ہم یہاں ہیں؟"

کلّن نے لبوں پر اُنگلی رکھتے ہوئے چُپ رہنے کا اشارہ کیا اور کہنے لگا:

"وہ جو دیوار ہے نا۔ اُس کے ساتھ میں نے سیڑھی لگا رکھی ہے۔ تُم ایک ایک کر کے دبے پاؤں اُس سے اُترنا شروع کر دو۔ میں نیچے تمہارا انتظار کر رہا ہوں۔"

بچّوں کو نیچے گئے دس منٹ نہ گزرے ہوں گے کہ امامی ہوٹل کے

قریب پہنچا اور فوراً پچھواڑے کی طرف گھُوم گیا جہاں ایک سیڑھی لگی تھی۔ وہ فوراً سیڑھی کے راستے اور گیا اور روشن دان سے چھلانگ لگا کر دھم سے چوبارے کے فرش پر آ کودا۔ چوبارے کو خالی دیکھ کر وہ حیران رہ گیا۔

وہ ابھی سوچ ہی رہا تھا کہ اب کیا کرے کہ زینے پر قدموں کی چاپ سُنائی دی۔ امامی جلدی سے دروازے کے پیچھے دیوار کے ساتھ لگ کر کھڑا ہو گیا۔ اتنے میں کھٹاک سے دروازہ کھُلا اور بُندُو اندر داخل ہوا۔ وُدّو اور جُمّن دروازے کے باہر کھڑے انتظار کرنے لگے۔

کمرے میں آتے ہی بُندُو نے زور سے کہا۔

"آؤ بھی بچّو۔ ذرا تمہیں دریا کی سیر کرائیں۔ ایک دو ڈُبکیوں کے بعد تُم خود

اگلے جہاں کی سیر کر لینا۔"

مگر وہاں کوئی ہوتا تو جواب دیا۔ وہ اِدھر اُدھر دیکھ کر پھر شیر کی طرح غُرّایا۔ "ارے جہاں بھی چھُپے ہو نکل آؤ فوراً۔ ورنہ یہیں قبر بنا دوں گا تمہاری ہاں۔"

"باہر سے وُدّو نے چیخ کر کہا۔ "ارے کیا بک بک کر رہے ہو تُم؟ لاتے کیوں نہیں اُنہیں باہر؟"

بُندُو نے جل کر کہا۔ "باہر کیا لاؤں تمہارا سر؟ یہاں تو صفایا ہو رہا ہے ہر طرف۔ اگر یقین نہ ہو تو خُود اندر آ کر دیکھ لو۔"

وُدّو اندر آ کر اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔ اُدھر اما می بلّی کی طرح جِست لگا کر باہر چلا گیا اور دھیمے سے دروازے کو بند کر کے اُس میں تالا ڈال دیا۔ پھر زینے

سے اُتر کر سڑک پر آگیا۔ وہ دل میں کہہ رہا تھا مُنّو نہیں تھا ملتا تو نہ سہی۔ ان دونوں سے کام نِکل جائے گا۔ آخر اُنہیں بھی تو معلوم ہو گا کہ کریٹ کہاں پڑا ہے ؟

بُندُو اور وُدّو حیران ہو کر ایک دوسرے کو تک رہے تھے۔ وُدّو غصّے کے مارے پیچ و تاب کھا رہا تھا۔ اُس نے سمجھا کہ یہ ساری کارستانی جُمّن کی ہے۔ وہ دروازے کے پاس مُنہ لا کر زور سے بولا :

"او شیطان، فوراً دروازہ کھول ورنہ لینے کے دینے پڑ جائیں گے۔"

جب جُمّن نے کُچھ جواب نہ دیا تو وہ مُکّوں سے دروازہ پیٹتے ہوئے کہنے لگا "کھول دے دروازہ، ورنہ کچّا چبا جاؤں گا۔" مگر جُمّن وہاں کہاں تھا۔ وہ ہوٹل کے باہر ایک درخت کی آڑ میں کھڑا کلّن کی راہ دیکھ رہا تھا۔

قاضی آرام سے اپنی پیڑھی پر بیٹھا چائے بنا رہا تھا۔ اُس نے نہ امامی کو اُوپر سے نیچے اُترتے دیکھا اور نہ جُمّن کو۔ مگر جب چوبارے میں شور و غل سے بھونچال سا آ گیا تو وہ اُٹھ کر زینے پر گیا تاکہ معلوم کرے کہ وہاں کیا ہو رہا ہے۔ کلّن تینوں بچّوں کو لے کر بھاگم بھاگ سڑک پر آیا اور بولا۔ "لو اب تُم سیدھے گھر جاؤ۔ راستے میں کہیں نہ رُکنا۔"

"اور تُم کہاں جاؤ گے ماموں؟" مُنّو نے پوچھا۔

"میں تھانے جاؤں گا اور پولیس کو اِن بدبخت ہیروں کے متعلّق سب کُچھ بتا دوں گا۔"

"ماموں۔" مُنّو نے گھبرا کر کہا۔ "خدا کے لیے اُن ہیروں کا ذکر کسی سے نہ کرنا۔"

"تم بے فکر رہو بیٹے۔ تُم پر کوئی آنچ نہیں آئے گی۔" کلّن بولا۔

"مگر ماموں، مُجھے نہیں تو شاید کسی اور کو نقصان پہنچ جائے۔"

"میں اب خاموش نہیں رہ سکتا۔ بس اب بہت ہو گئی۔ جاؤ، تُم گھر جاؤ۔"

تینوں بچّے دِل میں کہہ رہے تھے۔ "اتنے دُکھ بھرے، اِن ہیروں کی خاطر، اور اب جب کامیاب ہونے کا وقت آیا تو ماموں کلّن رنگ میں بھنگ ڈال رہے ہیں۔"

سمّی بولا۔ "ہم گھر گئے تو ہیروں کو لے کر جائیں گے۔ ایسے تو ہم نہیں جانے کے۔"

نِیلو کہنے لگی۔ "ہاں ہاں، ہیروں کے بغیر ہم گھر نہیں جائیں گے اور سُنو کلّن بھائی، ہمیں وہ جگہ معلوم ہے جہاں یہ ہیرے پڑے ہوئے ہیں۔

سمّی اپنی آنکھوں سے دیکھ کر آیا ہے۔ وہ ریلوے کے مال گودام میں پڑے ہیں۔"

"اچھا بھئی! تُم ہماری نہیں مانتے تو ہم ہی تُمہاری مان لیتے ہیں۔ میں مال گودام کا چپّا چپّا جانتا ہوں۔ اِس لیے تُم مُجھے صرف وہ جگہ بتا دو۔ میں وہاں پہنچ کر ہیرے لے آؤں گا۔ میرے لوٹنے تک تم یہیں رہنا۔"

تینوں نے کہا۔ "ہم بھی چلیں گے تُمہارے ساتھ۔"

"معلوم ہوتا ہے تُم میری چلنے نہیں دو گے۔ خیر تمہیں بھی لیے چلتا ہوں۔ مگر ایک شرط ہے کہ جو کہوں وہ مانو، منظور ہے؟"

"منظور ہے۔ منظور ہے۔" تینوں نے کہا۔

تھوڑا فاصلہ طے کرنے کے بعد کلّن نے آہستہ سے کہا۔ "وہ دیکھو۔ وہ رہا

ریلوے مال گودام۔ لیکن وہاں جانے کے لیے ہمیں احتیاط سے کام لینا ہو گا تاکہ کسی کو ہم پر شُبہ نہ ہو۔ اور ہم پچھواڑے کی گلیوں میں گھوم کر جائیں۔"

*****

جب بُندُو اور وُدّو بس میں سوار ہوئے تو امامی اُن کو دیکھ رہا تھا۔ وہ بس کی دوسری منزل میں جا کر بیٹھ گئے تو امامی لپک کر پہلی منزل میں جا بیٹھا لیکن تاک لگائے ہوئے تھا کہ کب وہ اُتریں اور یہ اُن کے پیچھے ہو لے۔

بس آخری ٹاپ پر آ کر رُک گئی اور وُدّو اور بُندُو اُتر کر سامنے کی سڑک پر چلے گئے۔ امامی بھی بچتا بچاتا اُن کے پیچھے پیچھے چل رہا تھا۔ اُنھوں نے، ایک کارخانے میں سے لوگوں کا ہجوم نکلتے دیکھا تو وُدّو نے آگے بڑھ کر ایک شخص سے پُوچھا۔ "کیوں بھائی، ریلوے کا مال گودام کہاں ہے؟"

”اِسی سڑک پر ہے۔ چلتے جاؤ۔ داہنے ہاتھ گھومو گے تو آگے مال گودام ہو گا۔“اُس نے جواب دیا۔

وُدّو دو قدم آگے چل کر بُندُو سے کہنے لگا۔

”ذرا رُک جاؤ یہاں۔ بھیڑ کم ہو جائے گی تو پھر آگے چلیں گے۔“

امامی اُن سے پانچ فٹ کے فاصلے پر ایک کھمبے کے پیچھے چھُپا کھڑا تھا۔ اُس نے اُن کی باتیں سُن لی تھیں۔ ریلوے کا مال گودام اُس کا دیکھا بھالا تھا۔ وہ کنّی کترا کر، چوکڑیاں بھرتا ہوا دو منٹ میں گودام میں پہنچ گیا اور گودام کے آخری دروازے میں داخل ہو کر سیدھا ہیروں والے کریٹ کے پاس پہنچا۔ اُس نے جیب میں سے پیچ کَس نکالا اور جلدی جلدی کریٹ کھول ڈالا۔ اُس کا ہاتھ سب سے پہلے مفلر پر ہی پڑا جس میں ہیرے بندھے

ہوئے تھے۔ وہ چاہتا تھا کہ مفلر میں سے ہیرے نکال کر جیب میں رکھ لے کہ بھاری قدموں کی چاپ سُنائی دی۔ اُس نے گھبرا کر مفلر کو قریب رکھی ہوئی ردّی کی ٹوکری میں ڈال دیا اور خود جیبوں میں ہاتھ اُڑس کر ٹہلنے لگا۔

اتنے میں دو ہٹے کٹّے آدمی ہتھوڑے کندھوں پر اُٹھائے اُس کے پاس آ گئے۔ اُن میں سے ایک نے کہا۔ "اے بابو یہاں کیا کر رہے ہو؟"

مُجھے فورمین سے ملنا ہے۔" امامی نے اطمینان سے جواب دیا۔

دوسرے آدمی نے کہا۔ "یہاں فورمین کہاں ہے۔ اُدھر جاؤ۔ دفتر میں۔" اور امامی دِل میں ہیروں کی حسرت لیے ہوئے باہر آ گیا۔

پھاٹک کے آگے ایک اونچی سی دیوار تھی جس کی اوٹ میں بُندُو اور وُدّو

کھڑے سب باتیں سُن رہے تھے ۔ جب وہ دو نوں آدمی چلے گئے تو وُدّو

نے اندر جھانک کر دیکھا اور پھر بُندُو کو ہاتھ کے اشارے سے بُلا لیا کہ

میدان صاف ہے ۔ دو نوں ہولے ہولے قدم اُٹھاتے ہوئے کریٹ کے

پاس پہنچے تو وُدّو اُسے دیکھتے ہی بوکھلا کر بولا۔ "ہوا نہ وہی جس کا مُجھے شک

تھا۔ وہ شطُو نگڑا ہیرے لے اُڑا۔ افسوس، ذرا سی دیر نے ہمارا بیڑا غرق

کر ڈالا۔"

"ارے یار، تُم تو بہت جلدی گھبرا جاتے ہو۔ ذرا ٹھیک طرح سے

دیکھو۔" بُندُو نے کہا اور یہ کہہ کر اُس نے آس پاس جو دیکھا تو ردّی کی

ٹوکری میں پڑا ہوا مفلر نظر آ گیا۔

"دیکھو، وہ رہا ہیروں والا مفلر۔" یہ کہہ کر اُس نے جھٹ مفلر اُٹھا لیا لیکن

اُسے کھولنے ہی لگا تھا کہ بھاری قدموں کی آواز سُنائی دی ۔ وُدّو گھبرا کر

بولا۔ "جلدی کر، کوئی آ رہا ہے۔" بُندُو نے مفلر فوراً ردّی کی ٹوکری میں پھینک دیا۔ اِتنے میں تین مزدور آ موجود ہوئے۔ اُن میں سے ایک نے کہا۔ "تُم لوگ یہاں کیا کر رہے ہو، ایں؟"

"بھائی صاحب، ہمیں بابُو صاحب سے ملنا ہے۔" وُدّو نے بڑے تمیز کہا۔

"بابو لوگ تو سب کے سب دفتر میں بیٹھے ہیں وہاں جاؤ۔ چلو بھاگو یہاں سے۔"

جس پھاٹک سے بُندُو اور وُدّو باہر نکلے تھے اُسی سے کلّن بچّوں کو لے کر اندر داخل ہوا۔ گودام میں اکثر لوگ کلّن کے دوست تھے اِس لیے وہ گودام کے آنگن میں بے کھٹکے گھوم رہا تھا جب لوگ کریٹ کے پاس پہنچے تو اپنا کلیجا تھام کے رہ گئے۔ کریٹ کھُلا پڑا تھا۔

"لو بھئی بس۔" کلّن نے کہا۔ "اب کیا کریں۔ خیر چلو اچھّا ہوا۔ کسی نے یہ فساد کی جڑ پھینک ڈالی نکال کر۔ دِن کا چین اور رات کی نیند حرام کر دی تھی اُن منحُوس ہیروں نے۔"

"جانے کون لے اُڑا؟" سمّی نے کہا۔

"جو ہم سے پہلے آیا وہی لے گیا۔ گھر جا کر جتنا چاہو، سوچنا، چلو اب۔"

"ذرا ٹھہرو۔ ہم آس پاس دیکھتے ہیں، شاید کوئی سُراغ مِل جائے۔" سمّی نے کہا۔ تینوں ردّی کاغذوں کی طرح بکھر گئے اور ایک ایک چیز کو غور سے دیکھنے لگے۔ اچانک مُنّو کی نظر مفلر پر پڑ گئی اور وہ مارے خوشی کے ناچ اُٹھا: "وہ مارا ماموں وہ مارا۔"

سب کے چہرے خوشی سے تمتما رہے تھے اور اُنھیں یقین نہیں آتا تھا کہ

ہیرے واقعی مل گئے ہیں۔۔۔۔نیلو نے بے تاب ہو کر کہا۔ "مُنّو، ذرا۔ ہمیں بھی دیکھ لینے دو اُن کی شکل۔"

مُنّو مفلر کھولنے کو تھا کہ کلّن نے کہا۔ "نہ بھائی، یہاں نہیں۔ گھر جا کر جی بھر کے دیکھ لینا۔ وہ نہ ہو کہ دیکھنے دِکھانے میں کوئی اُوپر سے آ دھمکے۔ مفلر مُجھے دے دو اور تُم تینوں بس سٹاپ کے پاس میرا انتظار کرو۔

آخری معرکہ

امامی آنے کو تو باہر آگیا مگر اُس کا دِل ہیروں میں اٹکا ہوا تھا۔ وہ ہر پھر کر پھر مال گودام میں گھُس گیا۔ پھاٹک کے پاس جو چوکیدار کا کیبن تھا، اس کے نیچے اکڑوں ہو کر بیٹھ گیا۔ وہ وُدّو اور بُنّدُو کا انتظار کر رہا تھا۔ اسے بیٹھے ہوئے تھوڑی ہی دیر ہوئی تھی کہ کیا دیکھتا ہے کہ کلّن تیز تیز قدم اُٹھاتا ہوا چلا آرہا ہے۔ امامی تڑپ کر کیبن نیچے سے نکلا اور کلّن کو ایسا اڑنگا لگایا کہ فرش پر آرہا۔ امامی نے مفلر اُس کے ہاتھ سے چھین لیا اور پھاٹک سے

نکل کر سڑک پر دوڑنا شروع کر دیا۔ وُدّو اور بُندُو بھی مال گودام کے آس پاس ہی منڈلا رہے تھے۔ اچانک اُن کی نظر امامی پر پڑ گئی جو مفلر کو ہاتھوں میں تھامے ہوئے بھاگا جا رہا تھا وہ دونوں اسے پکڑنے دوڑے۔ بچّے بس سٹاپ پر کھڑے کلّن کا انتظار کر رہے تھے۔ اُنھوں نے امامی کے ہاتھوں میں مفلر دیکھا تو کلیجا مسوس کر رہ گئے۔ تینوں سمجھ دار تھے۔ سمجھ گئے کہ اِس دوڑ میں وہ اُن کا مُقابلہ نہیں کر سکیں گے۔

کُچھ دیر تو بُندُو اور وُدّو کو امامی دوڑتا ہوا نظر آیا لیکن چند لمحوں کے بعد وہ ایسا غائب ہوا کہ اُن دونوں نے لاکھ زور مارا مگر اُس کا کہیں پتا نہ چلا۔ اصل میں امامی اُن راستوں سے خوب واقف تھا۔ اُس نے سوچ رکھا تھا کہ اگر بھاگنا پڑ گیا۔ تو وہ کِن راستوں سے بھاگ کر اپنی جان بچائے گا سو اُس نے وہی راستے اختیار کیے اور سب کو دھتّا بتا کر اپنے ٹھکانے پر پہنچ گیا۔

پکّے فرش پر گرنے سے کلّن غریب کے سر پر بڑی سخت چوٹ آئی تھی اور گومڑا اتنا درد کر رہا تھا کہ اُس پر انگلی نہیں رکھی جاتی تھی۔ وہ کراہتے ہوئے اُٹھا اور ٹوپی سنبھال کر باہر آگیا۔ جب ذرا ہوش و حواس بجا ہوئے تو ساری بات یاد آ گئی اور وہ دانت پیس کر رہ گیا۔ وہ دِل میں کہہ رہا تھا۔ "ہیروں کو تو لگے آگ۔ مجُھے تو بچّوں کی فکر ہے۔ مجُھ سے بڑی حماقت ہوئی جو اُنہیں گھر پر نہ چھوڑ آیا۔"

وہ آدھ گھنٹے تک دبدبے میں پڑا رہا کہ پولیس کو اطلاع دوں یا کپتان صاحب کو سارے معاملے سے آگاہ کروں۔ پھر کچُھ سوچ کر دل میں کہنے لگا بہتر یہی ہے کہ کپتان صاحب کے یہاں جاؤں۔ آگے جو ہو سو ہو۔

آدھے گھنٹے بعد وہ کپتان صاحب کے بنگلے کی گھنٹی بجا رہا تھا۔ کپتان صاحب نے گھنٹی سُنی تو خود دروازہ کھولے آئے۔

"کہو میاں کلّن۔" اُنہوں نے پوچھا۔ "کیسے آنا ہوا؟"

"حضور میں پوچھنے آیا تھا کہ بچّے گھر لوٹ آئے ہیں یا نہیں؟"

"ابھی تک تو آئے نہیں۔" کپتان صاحب نے کہا۔

یہ سُن کر کلّن گھبرا سا گیا۔ اُس کی گھبراہٹ دیکھ کر کپتان جعفر اسے گول کمرے میں لے آئے اور کہنے لگے۔

"بیٹھ جاؤ۔ بچّے کہاں ہیں اور تُم گھبرائے ہوئے کیوں ہو؟"

"حضور، میں اُنہیں ریلوے کے مال گودام میں چھوڑ آیا تھا۔"

"ریلوے کے مال گودام میں؟ کیا کہہ رہے ہو؟ بھلا اُنہیں وہاں جانے کی کیا ضرورت تھی؟"

"حضور ہیروں کی تلاش ہمیں وہاں لے گئی تھی۔"

"ہیروں کی تلاش؟ یہ تُم کیا کہہ رہے ہو کلّن؟ ٹھیک تو ہو نا؟"

"میں بالکل ٹھیک ہوں حضور، اور ٹھیک ہی عرض رہا ہوں کہ ہیروں کی تلاش ہمیں وہاں لے گئی تھی۔ یہ ہیرے چوری کا مال تھا حضور اور اُنہیں آپ کے جہاز میں چھُپا کر رکھا گیا تھا۔"

"مُجھ سے پہلے کیوں نہ کہا تم نے؟"

"کئی بار حوصلہ کیا آپ سے بات کرنے کا، مگر ہمّت نہ پڑی۔ اصل میں بات یہ ہے حضور کے اِس میں بڑے بڑوں کا ہاتھ ہے اور مُجھے اُن سے ڈر لگتا تھا۔" "کون ہیں وہ بڑے بڑے لوگ۔ صاف صاف کہو۔"

"ایک تو احسن صاحب ہیں حضور، اور پھر اُن کا خاص ملازم ہے امامی۔ امامی

نے کئی کارندے رکھے ہوئے ہیں جو چوریاں کرتے ہیں اور چوری کے مال کو آپ کے جہاز کے ذریعے کہیں کا کہیں پہنچا دیتے ہیں۔"

"اور ہمیں آج تک خبر نہ ہوئی اِس بات کی۔ تم کہہ رہے ہو کہ احسن صاحب ان سب کے لیڈر ہیں۔ پھر سوچ لو کسی شریف آدمی پر جھوٹا الزام لگانا بہت بڑا جُرم ہے۔"

"حضور آپ میرے مائی باپ ہیں۔ آپ نے مُنّو کو اپنے ہاں رکھ کر مُجھ پر وہ احسان کیا ہے جسے میں ساری عُمر نہیں اُتار سکتا۔ آپ سے میں غلَط بات کیسے کہہ سکتا ہوں بھلا۔ میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ امامی نے ابھی ابھی وہ ہیرے مال گودام سے ہتھیائے ہیں اور اُنہیں احسن صاحب کے حوالے کر دیا ہے۔"

"مگر ان ہیروں کا میرے بچّوں سے کیا واسطہ ؟"

"حضور اگر آپ ناراض نہ ہوئی تو عرض کروں کہ اس کام میں میرے بھانجے مُنّو کا بھی بہت سا حصّہ ہے۔ جِن دِنوں وہ میرے پاس جہاز میں ٹھہرا ہوا تھا اُس کے کانوں میں کُچھ ہیروں کی سُن گُن پڑ گئی اور اُس نے ہیروں کے متعلّق خاصی باتیں معلُوم کر لیں۔ جب وہ آپ کے یہاں آیا تو تینوں بچّوں نے صلاح کی کہ وہ ہیروں پر قبضہ کر لیں اور اُن کو اُن کے اصل مالک کے حوالے کر دیں۔ اِس شوق میں وہ ایسے اُلجھیڑوں میں گرفتار ہوئے کہ اگر آپ سُن لیں تو آپ کے رونگٹے کھڑے ہو جائیں۔"

اور یہ کہہ کر کلّن نے الف سے لے کر یے تک ساری داستان کپتان صاحب کو سُنا دی۔ کپتان صاحب جھٹ پٹ تیّار ہوئے اور بیگم سے بولے :

"میں دفتر جا رہا ہوں۔ آپ فوراً انسپکٹر رضا کو ٹیلی فون کر دیں کہ وہ احسن صاحب کے دفتر میں پہنچ جائیں۔ بے حد ضروری کام ہے اور کہنا کہ اگر ایک منٹ کی بھی دیر ہوئی تو سب کُچھ تلپٹ ہو کر رہ جائے گا۔ اِس لیے فوراً پہنچ جائیں۔"

*****

امامی ہانپتا ہوا احسن کے دفتر میں آیا اور مفلر اس کی میز پر رکھ دیا۔

"بھی خوب۔" احسن نے خوشی سے ہاتھ ملتے ہوئے کہا۔ "میں کہتا ہوں جو کام ہوا تُم سے وہ رُستم سے نہ ہوگا۔"

"لیکن یہ کہیے کہ نکل بھاگنے کی تیّاریاں مکمل ہیں نا؟"

"بالکل بالکل۔ ہوائی جہاز کے ٹکٹ لے لیے ہیں۔ نشستیں ریزرو کروالی

ہیں۔ بس چند چیزیں اکٹھی کر لُوں اور کُچھ کاغذات جلا دوں۔"

"میں بھی پانچ منٹ میں تیّار ہوا جاتا ہوں۔" امامی نے کہا۔

احسن اپنے کاغذات دیکھنے میں مصروف تھا کہ دروازے پر کسی نے دستک دی۔ احسن نے فوراً مفلر کو ردّی کی ٹوکری میں پھینک دیا اور بولا:

"کون؟ میں بہت مصروف ہوں اس وقت۔"

"میں ہوں جناب مُنّو۔ بہت ضروری کام ہے۔"

احسن دروازہ کھول کر کہنے لگا۔ "آؤ بھی آؤ۔ آ جاؤ اندر۔" تینوں بچّے اندر آ گئے تو احسن نے بڑی چالاکی سے دروازہ میں چابی گھمائی اور اُسے بند کر کے اپنی کرسی پر آ بیٹھا۔

"جناب۔" مُنّو نے کہا۔ "وہ جو امامی ہے نا آپ کا۔ وہ ہیرے چُرالایا ہے اور جناب ہم نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے اُسے ہیرے لے کر بھاگتے ہوئے۔"

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو مُنّو۔" پھر امامی کو آواز دی۔ "امامی، اِدھر آنا۔"

امامی آگیا تو مُنّو بولا۔ "یہی ہے وہ جو ہیرے چُرا کر بھاگ اُٹھا تھا۔"

"وہ ہیرے اِس نے مُجھے دے بھی دیے ہیں مُنّو۔"

"تو اِس کا یہ مطلب ہوا جناب کہ وہ آپ سے مل کر کام کر رہا ہے۔"

امامی نے ہنستے ہوئے کہا۔ "یا احسن صاحب مُجھ سے مل کر کام کر رہے ہیں۔"

مُنّو چیخ کر کہنے لگا۔ "مُجھے تو کُچھ پتا نہیں چلتا کہ یہ کیا تماشا ہو رہا ہے۔"

سمّی نے فوراً جواب دیا۔ "تمہیں پتا نہیں چلتا تو میں بتاتا ہوں کہ یہ دونوں چھٹے ہوئے بدمعاش ہیں۔"

"چونچ سنبھال اپنی۔" امامی نے تڑپ کر کہا۔

"میں تُجھ سے نہیں ڈرنے کا۔" سمّی نے کڑک کر کہا اوت پھر مُنّو سے کہنے لگا۔ "چلو چلیں باہر۔"

لیکن دروازہ تھا بند اور چابی احسن کی جیب میں تھی۔ تینوں دروازے پر زور زور سے مُکّے مارنے کے بعد مُنہ لٹکا کر ایک طرف کھڑے ہو گئے۔

احسن بولا۔ "کتنے اچھے اور ہوشیار ہو تم۔ لیکن مُصیبت یہ ہے کہ بولتے بہت ہو۔ اس لیے ہم تمہیں اِس کمرے میں بند کر دیں گے تاکہ کُچھ دیر ہم

آرام کرلیں۔"

"میں دیکھوں، کون ہمیں بند کرے گا اِس کمرے میں۔" سمّی نے یہ کہا اور مُکّا تان کر احسن پر برسنے کو تھا کہ وہ بڑی پھرُتی سے ایک طرف ہٹ گیا اوت پیچھے سے اُسے مضبوطی کے ساتھ پکڑلیا۔ مُنّو نے امامی کے جو دو تین ٹکریں لگائیں تو اُس نے بھی اُسے کمر سے پکڑ کر ایک طرف دھکّا دے دیا۔ جب دونوں نے دیکھ لیا کہ ہم مُقابلے کی چوٹ نہیں ہیں تو سمّی بولا۔ "کوئی بات نہیں احسن صاحب۔ ہمیں اُمّید آپ اتنی بُری حرکت کریں گے۔ خیر اب ہم ابّو کو سب کُچھ بتادیں گے اور وہ۔۔۔۔"

"مگر بد قسمتی سے میں ہوں گا ہی نہیں اُس وقت۔ اب چلو سب اِس کمرے میں۔" یہ کہہ کر اُس نے تینوں کو کمرے میں بند کر کے دروازے پر تالا ڈالا اور چابی جیب میں رکھ لی۔

نِیلو ڈری ڈری سی تھی۔ کہنے لگی۔ "اللہ جانے۔ اب یہ ہم سے کیا سلوک کریں۔"

"ان لوگوں سے تو ہمیں نیکی کی اُمّید رکھنی ہی نہیں ہے۔ ایک بد معاش ہے وہ، مگر مُنّو، تمہیں تو خوب بنایا احسن نے۔" سمّی نے کہا۔

"اگر آپ میری جگہ ہوتے تو آپ کو بھی بے وقوف بنائے بغیر نہ چھوڑتا۔ لیکن یہ نہ سمجھے وہ کہ ہم نے ہار مان لی ہے۔ لو سُنو۔ میرے دماغ میں ایک ترکیب آئی ہے۔۔۔ مُنّو کمرے کی کھڑکی کے پاس کھڑا تھا جو مدّتوں سے بند پڑی تھی۔ اُس نے سمّی کو بُلایا اور دونوں نے زور لگا کر بڑی مُشکلوں سے اُسے کھول ڈالا۔ مُنّو کہنے لگا: "دیکھو سمّی میاں، اِس کھڑکی کی کگر سیدھی احسن کے دفتر کی کھڑکی سے جا ملتی ہے۔ میں اِس کِگر سے ہوتا ہوا کھڑکی تک پہنچ جاؤں گا اور جھانک کر دیکھوں گا کہ وہ اندر بیٹھے کیا کر

رہے ہیں۔ اگر موقع ملا تو ہیروں کو بھی اُڑا لاؤں گا۔"

"میں بھی چلوں تمہارے ساتھ؟" سمّی نے پوچھا۔

"نہیں ابھی نہیں۔ ضرورت ہوئی تو تمہیں اشارہ کر دوں گا۔ اور نیلو بی بی آپ کے ذمّے یہ کام ہے کہ جب میں کہوں 'شروع' تو آپ فوراً شور مچانا شروع کر دیا۔ دروازہ اس قدر زور سے پیٹنا کہ معلوم ہو کوئی بھونچال آ گیا ہے۔ لو میں چلا۔ خُدا حافظ۔"

احسن کے دفتر میں ابتری پھیلی ہوئی تھی۔ اِدھر اُدھر ڈھیر کاغذ پڑے تھے اور ڈھیروں آتشدان میں دھڑ دھڑ جل رہے تھے۔ امامی درازوں میں سے کاغذوں کے پلندے فرش پر پھینک رہا تھا اور چند ایک کو ایک طرف ڈھیر کیے جا رہا تھا کہ احسن بولا۔ "ارے امامی، ختم نہیں ہوا کام تمہارا ابھی

تک ۔ صرف دس منٹ رہ گئے ہیں جہاز چھوٹنے میں ۔"

"جی صرف ایک دراز اور پھر میرا کام ختم ہو جائے گا ۔"

احسن کے مفلر کو ردّی کی ٹوکری میں سے نکال کر میز پر رکھ دیا تھا ۔ اچانک دھم دھم کی آواز آئی ۔ کوئی زور زور سے کواڑ پیٹ رہا تھا ۔ دونوں ٹھٹھک گئے ۔ پھر احسن سنبھل کر بولا ۔ "کون ؟"

"وُدّو ۔ "آواز آئی ۔

"دیکھو امامی، تُم ہیروں کو لے کر جلدی سے صحن کے دوسرے دروازے پر آ جانا ۔ میں وہاں تمہارا انتظار کروں گا اور اُسے میں باہر ہی ٹالنے کی کوشش کروں گا ۔ اگر یہ کمرے میں آ گئے تو مُمکن ہے ہمارا ارادہ بھانپ لیں ۔"

یہ کہہ کر احسن دروازہ کھول کر باہر نکلا اور پھر جلدی سے دروازے کے پٹ بند کر دیے۔ اُس نے وُدّو کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا اور کہنے لگا۔ "آؤ کہو کیسے آنا ہوا؟"

وُدّو نے اُس کے ہاتھ کو جھٹک دیا اور بولا۔ "ہمیں معلوم ہے کہ امامی ہیرے اُڑا لایا ہے۔ ہمارا حصّہ ہمارے حوالے کرو۔ اِسی جگہ۔ فوراً۔ ہمیں پیسوں کی سخت ضرورت ہے۔ کپڑے خریدنے ہیں۔ ہوائی جہاز کے ٹکٹ خریدنے ہیں۔ اگر ہم اِسی وقت اس ملک کو چھوڑ دیں گے تو جان بچے گی ورنہ۔۔۔۔"

مگر احسن نے بات کاٹتے ہوئے کہا۔ "گھبراتے کیوں ہو۔ اِدھر آؤ نیچے چل کر بیٹھتے ہیں اور پھر لینے دینے کا فیصلہ بھی ہو جائے گا۔"

جب مُنّو احسن کے کمرے کی کھڑکی کے قریب آ گیا تو اُس نے شیشے میں سے اندر دیکھا۔ پہلی نظر میں اُسے یُوں معلُوم ہوا جیسے کمرہ بالکل خالی ہے۔ جب غور سے دیکھا تو اُسے امامی نظر آیا جو اُس کی طرف پُشت کیے اَن گِنت کاغذ جلا رہا تھا۔ اُس نے اشارے سے سمّی کو بُلایا اور کہا۔

"وہ دیکھو وہ ہیروں والا مفلر میز پر پڑا ہے۔ اور وہ سوئیٹر بھی دیکھ رہے ہو جو کرسی کے ساتھ لٹک رہا ہے؟" سمّی نے ہاں میں سر ہلایا تو مُنّو کہنے لگا۔ "اب میں بتاؤں ہمیں کیا کرنا ہے؟ پہلے تو ہم اِس کھڑکی کو کھول کر اندر کھسک جائیں گے اور دبے پاؤں سوئیٹر کو کرسی سے اُٹھا کر امامی کے سر پر مڑھ دیں گے۔ آپ امامی کو سنبھالے رہنا اور میں مفلر میں سے ہیرے نکال کر بھاگ جاؤں گا۔ اِسی دوران میں نِیلو بی بی شور و غل سے آسمان سر پر اُٹھا لیں گی جس سے ہمیں یہ فائدہ ہو گا کہ اگر ہم ایک دوسرے سے بات

بھی کریں گے تو ہنگامے کی وجہ سے امامی کُچھ بھی سُن نہ پائے گا۔“

دونوں نے کھڑکی کھولی اور دبے پاؤں کمرے میں آ گئے۔ ہولے ہولے دبے پاؤں سوئیٹر کے پاس پہنچے اور اُسے اٹھا کر ایک دم امامی کے سر کے گرد لپیٹ دیا اور اُسے ایک دم سے زمین پر گِرا دیا۔ اِدھر نِیلو نے ادھم مچا رکھا تھا اور اُدھر امامی چاروں شانے چِت گِر کر بُری طرح لاتیں مار رہا تھا۔ سمّی اُس کی چھاتی پر چڑھ بیٹھا تھا اور مضبوطی سے سوئیٹر کے بازوؤں کو کَس کر پکڑے ہوئے تھا۔ مُنّو نے بڑی پھرُتی سے مفلر کھولا۔ اپنی جیبوں میں ہیرے بھرے اور پھر مفلر میں الا بلا رکھ کر اُسے پہلے کی طرح باندھ دیا۔

”ارے جلدی کرو۔ یہ تو نکلا جا رہا ہے۔“ سمّی نے مُشکل سے فقرہ پورا کیا ہو گا کہ مُنّو نے اُسے اشارے سے بُلا لیا اور دونوں کھڑکی میں سے نکل کر کگر پر سے ہوتے ہوئے واپس اُسی کمرے میں پہنچ گئے جہاں نِیلو تھی اور

کھڑکی میں سے مُنہ نکال کر بے تحاشا چیخیں مارنے لگے۔

سمّی امامی کو چھوڑ کر کھڑکی کی طرف بھاگا تو امامی نے سوئیٹر کو سر سے اُتار کر فرش پر پھینک دیا اور جلدی سے میز پر سے مفلر اُٹھا کر باہر بھاگا۔

احسن نیچے کی منزل میں وُدّو اور بُندُو سے بیٹھا باتیں کر رہا تھا لیکن دھیان امامی کی طرف تھا۔ اُسے آتا دیکھ کہ وہ جلدی سے بولا۔ "کیوں، کام ختم ہو گیا؟"

"جی، ختم ہو گیا۔" امامی نے کہا۔

"بہت خوب۔" اور پھر وُدّو اور بُندُو سے کہنے لگا۔ "تو پھر ہو گیا قصّہ طے؟ تُم یونہی گرم ہوئے جا رہے تھے۔ اب بھولنا نہیں کہ کل صُبح دس بجے تمہیں میرے دفتر پہنچنا ہے۔ اچھّا اب خُدا حافظ۔ آؤ امامی اب چلیں۔"

عین اُس وقت ایک کار دروازے پر آ کر رُکی اور جعفر اور کلّن اُس میں سے نکلے۔ اُس کے بعد دو اور کاریں آکر ٹھہریں جن میں سے ایک افسر اور کُچھ با وردی سپاہی اُترے۔

"کپتان صاحب، آپ کے پیغام کا بہت بہت شکریہ اور صاحب آج مُجھے کسی معرکے کے سر ہونے کی بڑی اُمّید ہے۔" پولیس افسر رضا صاحب کہنے لگے۔ "میرے آدمیوں کی تفتیش کے مطابق آپ کے دو آدمیوں نے للّو غریب کو قتل کیا ہے۔ اُن کے نام ہیں بُندُو اور وُدّو۔" یہ کہہ کر اُنھوں نے سپاہیوں کو حُکم دیا۔ "ساجد ماجد۔ دروازے سے کوئی بھی آنے جانے نہ پائے۔ سارجنٹ تُم ایک آدمی کو ساتھ لے کر پچھواڑے کی ناکا بندی کر دو اور مودے، تُم دفتر کے آس پاس پہرہ دو اور راشد تُم میرے ساتھ چلو۔"

احسن نے باہر نکلنے کے لیے دہلیز پر قدم رکھا ہی تھا کہ انسپکٹر رضا نے کڑک کر کہا۔ "رُک جاؤ۔" پھر اپنے آدمیوں کو آواز دی۔ "سب کے ہتھکڑیاں لگا دو۔"

جب احسن، امامی، وُدّو اور بُندُو لائن میں کھڑے ہو گئے تو رضا صاحب پھر کڑکے: "تلاشی! سارجنٹ۔" امامی کی تلاشی پر ایک لال مفلر نکلا اور جب اُسے کھولا گیا تو اُس میں ربڑ کی مہریں، کاغذوں والے کلپ، سیاہی کی دوائیں اور دوسری الا بلا نکلی۔ اُن کر دیکھ کر رضا صاحب کی زبان سے بے اختیار نکل گیا۔ "لاحول ولا۔" پھر تھوڑے وقفے کے بعد بولے: "چلو سب تھانے۔"

"لیکن رضا صاحب۔" جعفر صاحب بے چین ہو کر بولے۔ "جانے سے پہلے ذرا اِن لوگوں سے پوچھیے کہ اُنہوں نے میرے بچّے تو نہیں دیکھے۔

کتنی دیر سے غائب ہیں۔ اور۔۔۔"

اچانک ایک سپاہی اندر آ کر بولا۔ "اوپر کی منزل کی کھڑکی سے چند بچّے سر نکال کر چلّا رہے ہیں۔"

رضا صاحب اور کپتان صاحب بھاگم بھاگ اوپر پہنچے اور تینوں بچّوں کو نیچے لے کر آئے۔ کپتان صاحب نے رضا صاحب سے ہاتھ ملایا اور بولے :

"آپ نے بڑی ہمّت کی ورنہ جانے یہ بد معاش کیا ظُلم ڈھاتے۔ لیکن اِس بات کا مُجھے افسوس ہے ہیرے نہیں مل سکے۔"

"یہ رہے ہیرے جناب۔" مُنّو نے اپنے جیبیں تھپتھپاتے ہوئے کہا۔۔۔ سب کی آنکھیں ہیروں کی جوت سے چندھیا کر رہ گئیں۔

*****

مُنّو کو نوّاب بیگم نے بیس ہزار روپے انعام دیے اُس کی بہادری کے کارناموں کے صلے میں دس ہزار روپے اور ایک سنہری تمغہ حکومت نے عطا کیا۔ مُنّواب بھی کپتان صاحب ہی کے ہاں رہتا ہے لیکن اب وہ اُن کا نوکر نہیں ہے، مُنہ بولا بیٹا ہے۔ وہ سمّی اور نیلو کے ساتھ اسکول جاتا ہے اور جب کوئی اُس سے پوچھتا ہے کہ تُم بڑے ہو کر کیا بنو گے؟ تو وہ سینہ تان کر جواب دیتا ہے:

"میں جہاز کا کپتان بنوں گا۔"

ختم شد